ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
26 ستمبر تا 2 / اکتوبر 2002ء

☆ دوسری دفاعی لائن (اداریہ)
☆ بانی امیر کے مجلس شوریٰ سے خطاب کا دوسرا حصہ (قافلۂ تنظیم)
☆ حالیہ انتخابات اور تنظیم اسلامی (منبر و محراب)

عیسائی یہودی مشترکہ سازش

یہودیوں نے پہلے سے طے کردہ منصوبہ کے تحت ایک سازشی تحریک کا جو نظام عمل (پروٹوکول) تیار کیا اُس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ انسانی نسل کو اخلاقی و معنوی طور پر اتنا بگاڑ دیا جائے کہ نسل انسانی کی معنوی طاقت جواب دے جائے اور یہود کو اپنی برتری قائم رکھنے کا آزادانہ موقع ملے۔ دنیا شطرنج کی ایک ایسی بساط بن جائے جہاں یہود کو ایک مہرے کو ہٹا دینے اور اپنے مفاد کے مطابق دوسرے مہرے کو بٹھا دینے کا آزادانہ موقع ملے (یہ بات یہودی کی مذہبی کتابوں میں واضح طریقہ پر موجود ہے)۔ اس سازشی منصوبہ کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہودی مذہب اور عیسائی مذہب دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں' عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو الوھیت تک پہنچاتے ہیں اور یہودی اُن کے اخلاق' کردار اور شرافت نسبی کو مجروح کرتے ہیں' لیکن مسلم دشمنی میں دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے سیاسی قائدین اس وقت متحد ہو کر ایک ہو گئے ہیں۔ اس وقت یہودیوں کا شاطر دماغ اور عیسائیوں کا سیاسی و عسکری تفوق دونوں ایک ساتھ ہو کر مسلمانوں بلکہ پوری نسل انسانی کے دشمن بن گئے ہیں اور یہ گویا عیسائی یہودی مشترکہ سازش ہے۔

مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ میں ایک بڑا فتنہ صلیبی حملوں کا تھا لیکن اُس وقت عیسائیوں کے پاس کوئی انقلابی یا اعتقادی و فکری منصوبہ نہیں تھا۔ اس صلیبی فتنہ کو سلطان صلاح الدین نے شکست دی۔ دوسرا فتنہ وہ تھا جب تاتاریوں نے عالم اسلام پر حملہ کر کے مسلم ممالک کو تاراج کر دیا تھا۔ تاتاری بھی صرف ایک عسکری و نسلی طاقت تھی۔ نہ وہ کوئی بنیادی تمدن و تہذیب رکھتے تھے نہ زندگی کا کوئی نیا نقشہ اور منصوبہ اُن کے پاس تھا۔ قدرتِ خداوندی سے تاتاری اسلام سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور اسلام اور مسلمانوں کے پاسبان بن گئے ..... چنانچہ موجودہ مغربی طاقتوں نے یہ سمجھ کر کہ طاقت کے بل بوتے پر اُمت مسلمہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا' انہوں نے اب دینی' معنوی و اخلاقی طاقت کو ختم کر کے اس اُمت کی طاقت کو توڑنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اس منصوبے کو امریکی طاقت' مغربی ذرائع ابلاغ اور اقوام متحدہ کے ذریعے سے کامیاب کرایا جا رہا ہے۔''

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب کاروانِ زندگی حصہ ششم سے اقتباس)

سورۃ البقرۃ (۷۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

(گزشتہ سے پیوستہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

(البقرۃ:۱۴۳)

اس آیت میں مذکور امت محمد ﷺ کی گواہی کے سلسلہ میں ایک حدیث میں وضاحت ہے کہ یہ گواہی محاسبہ اخروی کے وقت ہوگی۔ اس حدیث کا خلاصہ اس طرح ہے کہ قیامت کے روز تمام رسول اور ان کی امتیں موجود ہوں گی۔ یہاں خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ رسول سے پوچھے گا کہ ہمارا جو پیغام تم تک پہنچا تھا کیا تم نے اپنی قوم کو پہنچا دیا؟ تو رسول جواب دیں گے: ہاں پروردگار! پہنچا دیا تھا۔ اب قوم سے سوال ہوگا کہ واقعی انہوں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا تھا تو قوم صاف انکار کر دے گی اور کہے گی کہ ہمارے پاس تو کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس رسول سے پوچھے گا: کیا تمہارا کوئی گواہ ہے؟ تب وہ رسول کہیں گے: ہاں! ہمارے گواہ محمد ﷺ اور امت محمدؐ ہے۔ اس پر وہ قوم اعتراض کرے گی کہ یہ محمد ﷺ اور امت محمد تو ہمارے بہت بعد آئے ہیں! یہ کیسے گواہ بن سکتے ہیں؟ تو یہ امت کہے گی کہ ہمیں یہ ساری خبریں محمد رسول اللہ ﷺ نے دیں اور ہمیں پورا یقین ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے جو کچھ ہمیں پہنچایا سچ تھا! اور اسی کی بنا پر ہم گواہی دیتے ہیں۔

چونکہ اس حدیث کا تعلق اس آیت سے ہے لہٰذا یہ آیت پڑھتے ہوئے ہمیشہ وہی مضمون ذہن میں آئے گا کہ اس سے امت محمد ﷺ کی فضیلت، شرف اور برگزیدگی ظاہر ہوتی ہے اور ہمارے سلف کے تمام مفسرین نے یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ تمام سابقہ قوموں میں بھی برگزیدگی کا یہ زعم موجود تھا کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں کیونکہ ہمارا تعلق رسول کے ساتھ ہے، ہم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، ہم سے تو کوئی حساب کتاب ہی نہیں ہوگا! یہ حساب کتاب دوسروں کے لئے ہے۔ اگر امت کے اندر اپنے شرف و فضیلت کا یہ احساس پیدا ہو جائے تو یہ خیال عمل سے فراغت اور فرائض سے غفلت کا سبب بنتا ہے۔

مگر اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہاں امت کا فرض منصبی بیان ہو رہا ہے اور اُسے ذمہ داری سونپی جا رہی ہے کہ جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے تم تک ابلاغ اور تبلیغ کا حق ادا کیا ہے ایسے ہی اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم پوری نوع انسانی تک دین کی تبلیغ و ابلاغ کا حق ادا کرو۔ رسولؐ نے تم پر اتمامِ حجت کیا! اب تم تمام لوگوں پر اتمامِ حجت کرو۔ ظاہر ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ابلاغ و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا تو آپؐ کو کیسی کیسی مشقتیں جھیلنا پڑیں اور مصائب برداشت کرنے پڑے۔ کیسی کیسی گھاٹیاں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو عبور کرنا پڑیں۔ اس فرض کی ادائیگی میں کون سی مصیبت ہے جو نہ آئی ہو اور کون سی مشقت ہے جو برداشت نہ کرنا پڑی ہو۔ ابلاغ و تبلیغ کا یہ کام پھولوں کی سیج نہیں ہے، یہ تو کانٹوں کا بستر ہے۔ اس کام کی انجام دہی کی بڑی فضیلت ہے، مگر عمل کے بغیر فضیلت کا احساس لوگوں میں تن آسانی پیدا کرتا ہے اور عمل سے فرار کی راہ آسان بناتا ہے۔ دیکھئے بنی اسرائیل ایسا ہی کہتے تھے کہ ہمارے لئے عمل اور محنت و مشقت کے سارے کھکھیڑ مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو اس منصب جلیلہ پر فائز کر دیئے گئے ہیں لہٰذا نجات کے لئے ہمارا ذاتی شرف ہی کافی ہے۔ یہی زعم اب امت مسلمہ کو ہے اور یہ سارا زعم باطل ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کر کے اس آیت کا جو دوسرا صحیح مفہوم ہے اور جو اس دور میں آ کر کھلا ہے اس کی طرف توجہ کی جائے۔ یعنی ابلاغ و تبلیغ کی بھاری ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس فرض کی ادائیگی کے لئے بھرپور جدوجہد کی جائے۔ ☆ ☆ ☆

چوہدری رحمت اللہ بٹر

فرمانِ نبویؐ

دین میں استقامت اختیار کرنے کی اہمیت

عن سفیان بن عبداللہ الشقفی قَالَ قُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ قُلْ لِی فِی الْاِسْلَامِ قَوْلاً لَا اَسْئَالُ عَنْہُ اَحَدًا بَعْدَکَ. وَفِی رِوَایَۃٍ :غَیْرَکَ.

قَالَ : ((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) (رواہ مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفی (رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع بات بتایئے کہ آپ کے بعد پھر میں کسی اور سے اس بارے میں کچھ پوچھنے کا محتاج نہ رہوں''۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت اختیار کر لو۔''

اگر انسان واقعی اللہ کو اپنا مالک تسلیم کر کے پھر اس کا بندہ بن جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے؟ یہی چیز تو مطلوب ہے اور اسی کا شعور دے کر انسان کو بھیجا گیا ہے کہ اللہ کو رب مان کر زندگی گزار دے۔ اور پھر جس کو اللہ تعالیٰ فرما دے کہ میرا بندہ ہے تو اس سے بڑھ کر مقام کیا ہوگا؟ جسے قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○﴾ (الاحقاف:۱۳،۱۴) ''جو لوگ کہہ دیں ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر سیدھے رہیں (جم جائیں) تو ان پر کوئی خوف و حزن نہیں۔ وہ سب جنتی ہیں، اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے بندوں میں شامل رہ کر زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

مرزا ایوب بیگ

دوسری دفاعی لائن

سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے سے پہلے جب ابھی کمیونزم زندہ تھا' سیاسی دنیا میں عالمی سطح پر بھی اور پاکستان میں بھی دائیں بازو اور بائیں بازو کی اصطلاح بکثرت استعمال ہوتی تھی۔ مذہبی جماعتیں' مذہب پسند جماعتیں اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کی طرف رغبت رکھنے والی جماعتیں دائیں بازو کی جماعتیں کہلاتی تھیں۔ جبکہ مذہب سے الرجک کمیونزم کی طرف رغبت رکھنے والی جماعتیں ترقی پسند اور بائیں بازو کی جماعتیں کہلاتی تھیں۔ انتخابات کے دنوں میں ایشیا سرخ ہے اور ایشیا سبز کے مخالفانہ نعرے زور و شور سے لگتے تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کو ترقی پسند بائیں بازو کی جماعت شمار کیا جاتا تھا۔ 1970ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں سنگل لارجسٹ پارٹی کی حیثیت سے ابھری۔ ووٹوں کی گنتی سے یہ معلوم ہوا کہ جیتنے والی پارٹی نے کاسٹ شدہ ووٹوں میں سے صرف 37 فیصد ووٹ حاصل کئے ہیں جبکہ باقی 63 فیصد ووٹ دائیں بازو کی جماعتوں میں تقسیم ہو گئے اور اس تقسیم کی وجہ سے وہ انتخابات میں قابل ذکر نشستیں حاصل نہ کر سکیں۔ مذہبی جماعتوں نے ہمیشہ یہ تاثر دیا کہ اینٹی بھٹو اور اینٹی پی پی پی سارا ووٹ ان کا ہے جو تقسیم ہونے کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔ 1988ء کے انتخابات میں دائیں بازو کی جماعتوں نے آئی جے آئی یعنی اسلامی جمہوری اتحاد کے نام سے ایک اتحاد قائم کیا' بلکہ صحیح تر الفاظ میں نادیدہ قوتوں نے یہ اتحاد دائیں بازو کی جماعتوں پر مسلط کیا۔ اس اتحاد کی بدولت دائیں بازو کی جماعتوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اگرچہ انتخابات تو جیت نہ سکیں لیکن مضبوط پارلیمانی اپوزیشن وجود میں آ گئی۔ مذہبی جماعتوں نے ایک بار پھر یہ تاثر عام کرنے کی کوشش کی اور یقیناً کامیاب کوشش کی کہ آئی جے آئی کی جیت کا سہرا مذہبی جماعتوں کے سر رہا۔ آئی جے آئی میں تمام مذہبی جماعتیں نہیں تھی بلکہ یہ اینٹی پیپلز پارٹی جماعتوں کا اتحاد تھا۔ اس سے یہ تاثر ابھرا کہ اگر تمام مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور خالصتاً مذہبی جماعتوں کا ایک اتحاد انتخابات میں حصہ لے تو کامیابی یقینی ہے۔ تنظیم اسلامی نے ہمیشہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ انتخابات کے ذریعے ممکن نہیں ہے لیکن مذہبی جماعتوں کو اگر انتخابات میں حصہ لینا ہی ہے تو انہیں متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم سے ایک نشان کے تحت لینا چاہئے تاکہ وہ پارلیمنٹ میں قابل ذکر نشستیں حاصل کر سکیں۔ الیکشن 2002ء میں مذہبی جماعتیں متحدہ مجلس عمل کے نام سے ایک اتحاد بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔ تنظیم اسلامی ان کی حمایت کرنے کا اعلان کر چکی ہے۔

حقیقی نتائج تو دس اکتوبر کو ظاہر ہوں گے لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ مذہبی جماعتوں کا اتحاد بھی بریک تھرو کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے متحدہ مجلس عمل دائیں بازو کی دوسری جماعتوں خصوصاً مسلم لیگ (ن) سے بعض نشستوں پر ایڈجسٹمنٹ کر رہی ہے اور صحیح تر الفاظ میں اس کا سہارا لے رہی ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس اتحاد کے باوجود مذہبی جماعتیں عوام کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام ہوتی کیوں نظر آ رہی ہیں۔ ہماری رائے میں اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ عوام محسوس کرتے ہیں کہ یہ عارضی اتحاد ایک خاص مقصد حاصل کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے' یہ اتحاد پائیدار ثابت نہیں ہو گا' دینی رہنماؤں کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ ظاہراً متحد نظر آتے ہیں لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ اہل حدیث رہنما پروفیسر ساجد میر نے آغاز ہی سے عملاً کسی قدر علیحدگی اختیار کر لی تھی' اب انہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ وہ مجلس عمل کو انتخابی اتحاد بنانے کے کبھی حق میں نہیں تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جماعت اسلامی اور مولانا نورانی پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے مجلس عمل کو ہائی جیک کر لیا اور مولانا نورانی نے ایک مجلس میں سرعام ان کی توہین کی ہے۔

حلقہ نمبر 118 لاہور میں جماعت اسلامی اور جے یو آئی جس طرح ایک دوسرے کے خلاف ڈٹی ہوئی ہیں' اس سے بھی مذہبی جماعتوں کے بارے میں عوام میں اچھا تاثر قائم نہیں ہو رہا۔ یوں عوام کی اس رائے کو تقویت مل رہی ہے کہ مذہبی جماعتیں ایک خدا' ایک رسول اور ایک کتاب کو ماننے کے باوجود یکجا نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے مذہبی رہنماؤں کو یہ احساس کرنا چاہئے کہ وہ دین اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں ان کے غلط طرز عمل سے دشمن بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ اور سادہ لوح مسلمان تو دشمن کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مذہبی رہنماؤں سے ہی نہیں مذہب سے بھی دور ہٹ جاتے ہیں جس سے سیکولر عناصر کو من مانی کارروائیاں کرنے کے لئے راستہ ہموار مل جاتا ہے۔

موجودہ حکومت افغانستان کی اسلامی حکومت کی تباہی میں حصہ دار بنی اور اس نے ناجائز حربے اختیار کر کے عدالت سے سود کے بارے میں خلاف قرآن فیصلہ حاصل کیا' لیکن مذہبی رہنما عوام میں اپنا اثر و رسوخ اس بری طرح کھو چکے تھے کہ وہ حکومت کے ان انتہائی غلط اور دینی نقطہ نگاہ سے تباہ کن اقدامات کے خلاف انہیں متحرک نہ کر سکے۔ یعنی ماضی میں قائم یہ تاثر بھی غلط ثابت ہو گیا کہ اگرچہ مذہبی جماعتوں کے پاس ووٹ بینک نہیں ہے لیکن ان کے پاس زبردست سٹریٹ پاور ہے جس سے وہ کسی حکومت کو خلاف اسلام اقدام کرنے سے باز رکھ سکتی ہیں۔ اگر مجلس عمل نے اتحاد کی لیپا پوتی صرف اس لئے کی کہ وہ پارلیمنٹ میں کچھ نشستیں حاصل کر لے اور کسی حقیقی اتحاد کا مظاہرہ نہ کیا گیا تو یہ طرز عمل ملک و قوم کے لئے اور خصوصاً مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالہ سے انتہائی خطرناک ثابت ہو گا۔ قوم میں مذہبی جذبہ کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے۔ اسے اجاگر کرنے اور صحیح جہت دینے کی ضرورت ہے۔ مذہبی رہنماؤں کو اپنی یہ ذمہ داری ادا کرنی ہو گی اور اولین قدم کے طور پر قول و فعل میں تضاد کو ختم کرنا ہو گا۔

(باقی صفحہ 5 پر)

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور — مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور — بانی: اقتدار احمد مرحوم
سی پی ایل نمبر: 127 جلد: 11 شمارہ: 38 پبلشر: اسعد احمد مختار طابع: رشید احمد چوہدری مدیر: حافظ عاکف سعید
سالانہ زر تعاون: 250 روپے قیمت: 5 روپے مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501 نائب مدیر: فرقان دانش خان

ہمارے اکثر مترجمین اور مفسرین نے شریعت اور منہاج کو مترادف الفاظ کے طور پر سمجھا ہے

شریعت دین کا قانونی پہلو ہے' جبکہ منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس پر عمل پیرا ہو کر شریعت کا نفاذ ہوگا

نبی اکرم ﷺ کے انقلابی منہاج کو اختیار نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ آج کفر بڑھ چڑھ کر طنزیہ انداز میں اسلامی تحریکوں کی ناکامی کا ذکر رہا ہے

اب ہمیں از سر نو اپنے کام کا آغاز کرنا ہوگا جس کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے انقلابی تصور کی حفاظت کی جائے

حالیہ انتخابات میں تنظیم اسلامی نے متحدہ مجلس عمل کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے

داعی و مؤسس تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے مسجد دارالسلام' باغ جناح میں 20 ستمبر 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

پچھلے خطبات جمعہ میں سیرت مطہرہ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے چھ مراحل کا بیان مکمل ہو چکا ہے۔ کسی خطہ زمین میں تکمیل انقلاب کے یہی چھ مراحل ہیں' تاہم اس کے بعد ایک ساتواں مرحلہ بھی ہے جسے ہم توسیع انقلاب کہہ سکتے ہیں۔ انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ اگرچہ وہ کسی ایک ملک میں برپا ہوتا ہے لیکن وہ اس ملک کی حدود تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے باہر نکلتا ہے۔ اور یہی کسی انقلاب کے واقعی اور حقیقی ہونے کا ثبوت ہے۔ اگر کوئی انقلاب کسی ملک کی سرحدوں کے اندر محدود رہ جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ کوئی قومی تحریک تھی جو اپنے ملک و قوم کی حدود سے آگے نہیں جا سکی۔ مثال کے طور پر فرانسیسی انقلاب فرانس میں برپا ہوا اور پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اسی طریقے سے بالشویک انقلاب روس میں آیا اور لاطینی امریکہ تک پھیل گیا۔ کیوبا میں یہ آج بھی موجود ہے اور کسی درجے میں چائنا میں بھی موجود ہے۔ یہ توسیع انقلاب کا مرحلہ ہے۔ اس کے لئے ایرانیوں نے "تصدیر انقلاب" کی اصطلاح اختیار کی تھی۔ تصدیر کے معنی ہیں برآمد (Export) کرنا۔ اگرچہ خود ایران کا انقلاب اپنی سرحدوں سے باہر نہیں جا سکا' جس کا مطلب ہے کہ وہ حقیقی انقلاب نہیں تھا۔

انقلاب نبویؐ کے ضمن میں توسیع انقلاب کا معاملہ بہت بڑے پیمانے پر ہوا۔ 20 سے 22 سال کی جاں گسل جدوجہد کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب آ گیا تو اس کے بعد اس کی توسیع شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ شمال میں کوہ قاف تک اور دوسرے اطراف میں عراق' ایران' ترکی' شام' مصر بلکہ بحیرۂ اوقیانوس تک پہنچ گیا۔

اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اب بھی اگر یہ انقلاب برپا ہوگا تو اسی طریقہ پر ہوگا جیسے حضرت محمد ﷺ نے برپا کیا تھا۔ اسی لئے میں نے آج آپ کو سورۂ مائدہ کی آیت کا ایک حصہ سنایا ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾

"تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ کار معین کیا ہے۔"

آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء و رسولوں کی شریعتوں میں ظاہری فرق موجود تھا۔ شریعت موسوی مختلف تھی شریعت محمد ﷺ سے۔ نماز وہاں بھی تھی لیکن شکل مختلف تھی۔ روزہ وہاں بھی تھا لیکن اس کے قواعد اور قوانین مختلف تھے۔ جس طرح شریعت میں تغیر و تبدل ہے اسی طرح تمام رسولوں کے منہاج مختلف تھے۔ لیکن ہمارے یہاں منہاج پر بہت کم توجہ ہوئی ہے۔ اکثر ہمارے مترجمین اور مفسرین نے ان دونوں کو مترادف الفاظ کے طور پر سمجھا ہے۔ جبکہ شریعت سے مراد دین کا قانونی پہلو ہے' یعنی کیا فرض ہے' کیا واجب ہے' کیا حرام ہے' کیا مکروہ ہے۔ یہ امور شریعت سے متعلق ہیں۔ جبکہ منہاج سے مراد طریقہ کار ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر شریعت کا نفاذ ہوگا۔ قرآن حکیم کی رو سے امت مسلمہ کے لئے ہر معاملہ میں اسوۂ محمدی کو اختیار کرنا لازم ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾۔ اگر آج ہم شریعت موسوی کی بجائے شریعت محمدی ﷺ کو واجب التعمیل سمجھتے ہیں تو نفاذ شریعت کے منہاج کے لئے بھی ہمیں اسوۂ رسولؐ ہی کی پیروی کرنا ہوگی۔ لیکن افسوس کہ بیسویں صدی عیسوی کے دوران عالم اسلام میں جو عظیم الشان احیائی تحریکیں انھیں انہوں نے منہاج محمدیؐ پر توجہ نہیں دی۔ انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی' ہندوستان میں جماعت اسلامی' مصر میں الاخوان المسلمون' لبنان میں عباد الرحمٰن' ایران میں فدائین اسلام' ترکی میں سعید نورسی کی تحریک یہ سب ایک وقت میں شروع ہوئیں۔ ان تحریکوں نے جو تصور پیش کیا وہ صد فیصد صحیح ہے کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے یعنی ایک مکمل نظام زندگی ہے اور یہ پوری زندگی پر اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اور یہ کہ اسے غالب کرنے کے لئے جدوجہد کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ یہ چیز ان تمام تحریکوں میں قدر مشترک کے طور پر موجود تھی۔ لیکن ان تحریکوں سے دو غلطیاں ہوئیں۔ اولاً انہوں نے یہ سمجھا کہ آج جو مسلمان دنیا میں ہیں' یہ چونکہ اللہ کو مانتے ہیں اور رسولؐ کو مانتے ہیں لہٰذا ان کے پاس حقیقی ایمان کی دولت بھی موجود ہے۔ انہوں نے اس بات پر توجہ نہیں دی کہ یہ ماننا کس درجے کا ہے۔ آیا یقین قلبی والا ماننا ہے یا سرسری زبان سے ماننا ہے۔ اس لئے کہ نظام اسلام کا قیام محض اقرار لسانی والے ایمان کے ذریعے ممکن نہیں۔ اس انقلابی جدوجہد کے لئے یقین قلبی والا ایمان شرط لازم ہے۔ دوسری غلطی منہاج کے ضمن میں ہوئی۔ اسلامی انقلاب لانے کے لئے منہج نبویؐ کی بجائے وہ طریقے اختیار کئے گئے جو دنیا میں مروج تھے۔ مثلاً بعض نے انتخابات کا راستہ اختیار کیا۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر انتخابات میں حصہ لے کر اسلام کے حق میں زیادہ ووٹ آ جائیں گے اور زیادہ لوگ اسمبلیوں میں پہنچ جائیں گے تو وہ اسلام نافذ کر دیں گے۔ بظاہر یہ بہت ہی سادہ طریقہ ہے۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ عوام الناس کے پاس حقیقی ایمان کتنا ہے۔ آیا وہ اپنی برادری کی مصلحتوں کو اور اپنے ذاتی و خاندانی مفادات کو زیادہ سامنے رکھیں گے یا اسلام کو فوقیت دیں گے۔ اگر اسلام پر ایمان و یقین موجود ہو تب تو ہر شے پیچھے ہو جائے گی۔ لیکن جب یہ بات اس درجہ کی نہیں ہے تو وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ بعض جگہوں پر ایسا ہوا کہ انتخابات کے ذریعے سے کچھ کامیابی کے قریب پہنچے لگے' جیسا کہ الجزائر میں ہوا' لیکن وہاں فوج آڑے آ گئی۔ اس لئے کہ عالم اسلام میں جو بھی فوجیں ہیں ان کی تربیت نو آبادیاتی نظام کے رکھوالوں نے کی تھی۔ جیسے ہماری فوج برطانیہ کی تربیت یافتہ ہے۔ چونکہ ان فوجوں کے اندر مغربی اطوار پیدا کئے گئے لہٰذا الجزائر میں امریکہ کے اشارے پر فوج آڑے آ گئی۔ اس کے نتیجے میں جب ان دینی عناصر نے دیکھا کہ بیلٹ کا راستہ بند ہو گیا تو پھر بلٹ کا راستہ اختیار کیا اور وہ معاملہ شروع ہوا جسے آج دنیا

نے دہشت گردی (Terrorism) کا نام دے دیا ہے۔ لیکن دہشت گردی کا یہ معاملہ ان تحریکوں کے لئے سب سے بڑی بدقسمتی ثابت ہوا۔ مختصر یہ کہ ان تحریکوں کی بنیاد بالکل صحیح تھی کہ اسلام دین ہے مذہب نہیں لیکن منہاج کے معاملے میں ان سے غلطی ہوئی۔ اس ضمن میں حضرت امام مالک کا یہ قول بہت اہم ہے کہ ''اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر اسی طور پر جس پر پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی''۔ اسی سے ملتی جلتی بات حضرت ابوبکرؓ کے ایک خطبہ میں بھی ملتی ہے۔ آج یہ حال ہے کہ پوری دنیا میں یہ تحریکیں ناکام ہو چکی ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے انقلابی منہاج کو اختیار نہیں کیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کفر اب بہت بڑھ چڑھ کر طنزیہ انداز میں اسلامی تحریکوں کی ناکامی کا ذکر کر رہا ہے۔ نیوز ویک کے اداریہ نگار فرید زکریا نے لکھا ہے کہ ''یہ ساری تحریکیں اب ختم ہو چکی ہیں' یہ ماضی کی بات ہے اور اب پورے عالم اسلام میں سیکولرازم کی لہر آ چکی ہے''۔ اس میں سب سے بڑی مثال پاکستان کی ہے۔ جہاں دین کی بچی کھچی باقیات کے خاتمے کے طور پر خواتین کو میدان میں لایا جا رہا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس نہ دین کا سیاسی نظام ہے' نہ معاشی نظام۔ صرف ایک چادر اور چار دیواری یعنی خاندانی ادارے کی مضبوطی کا نظام کسی درجے میں برقرار تھا' اسے بھی تہہ و بالا کرنے پر مغرب تل گیا ہے۔ صورتحال بڑی تشویش ناک ہے۔ لیکن اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اب ہمیں از سر نو کام شروع کرنا ہے۔ ایک دفعہ جو غلغلہ بلند ہوا تھا وہ اب زمین بوس ہو چکا۔ الاخوان المسلمون کی کوئی حیثیت اب عالم عرب میں نہیں ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان میں اب ایک قومی سیاسی جماعت ہے' اس کی حیثیت اب انقلابی تحریک کی نہیں ہے۔ مصر' الجزائر اور ترکی وغیرہ میں یہ تحریکیں دبا دی گئی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر اللہ کا دین ضرور غالب ہوگا' جس کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے' لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جیسے حضور ﷺ نے 20' 21 برس میں کر لیا تھا آج بھی اتنی ہی مدت میں ہو جائے گا۔ بلکہ یہ درجہ بدرجہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾۔ لہٰذا اس میں وقت لگے گا۔ یہ کام کئی نسلوں پر محیط ہوگا۔

اسی طرح یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ تحریکیں مکمل طور پر ناکام نہیں ہوئیں۔ انہوں نے مذہب کے محدود تصور کی جگہ دین کا ہمہ گیر تصور دیا۔ ان تحریکوں کے ذریعے مسلمانوں پر واضح ہوا کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے' سیاسی نظام کیا ہے' سماجی نظام کیا ہے۔ گو کہ وہ کامیابی کی آخری منزل تک نہیں پہنچ سکیں' لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ میں نے کئی مرتبہ فیض احمد فیض کی ایک نظم آپ کو سنائی ہے۔

یہ فصل امیدوں کی ہمدم اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبح شاموں کی اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے پھر اگلی رت کی فکر کرو
پھر اگلی رت کی فکر کرو جب پھر اک بار اجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا تب تک یہی کچھ کرنا ہے

بس یہ بات سامنے رہنی چاہئے کہ اسلام کا انقلابی تصور ہمارے سامنے واضح رہے۔ اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں کہ اسلام دین ہے اور اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اور یہ کہ اسے غالب کرنے کا منہاج وہی ہوگا جو حضرت محمد ﷺ کا تھا۔

اب میں اپنی گفتگو کے دوسرے حصے کی طرف آتا ہوں کہ انتخابات کے ضمن میں ہماری پالیسی کیا ہو۔ دو باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ایک بات شروع سے کہہ رہا ہوں کہ اسلام کا اس ملک میں انتخابات کے راستے سے قائم و نافذ ہونا ناممکن ہے۔ یہ تھوڑی بہت کامیابی جو الجزائر میں ہوگئی تھی' اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ الجزائر میں کوئی بڑی زمینداری اور جاگیرداری نہیں تھی' جبکہ ہمارے یہاں یہ زمینداری اور جاگیرداری اب تک موجود ہے اور ساٹھ سے ستر فیصد ووٹران جاگیرداروں کے انگوٹھے تلے ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں فرقہ واریت نہیں تھی۔ لہٰذا ان دو چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہاں انتخابات کے راستے سے انقلاب کی سرحد تک بات پہنچ گئی تھی جسے فوج کے ذریعے روک دیا گیا۔ چونکہ یہاں پاکستان میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں لہٰذا یہاں انتخابی راستے سے انقلاب برپا کرنا ناممکن ہے۔ ہمیشہ سے میرا یہی موقف رہا ہے' جماعت اسلامی سے میری علیحدگی بھی 1957ء میں اسی بنیاد پر ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ موقف بھی مسلسل رہا ہے کہ جب تک اسلامی انقلاب نہیں آتا اس ملک میں انتخابی و سیاسی عمل جاری رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر انتخابی عمل نہیں ہوگا تو مارشل لاء ہوگا۔ بادشاہت تو ہمارے یہاں ہے نہیں۔ مارشل لاء اس ملک کے لئے بہت خطرناک ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ پاکستان تو الیکشن کی کوکھ سے برآمد ہوا ہے۔ پاکستان کی ولادت 1946ء کے انتخابات کے نتیجہ میں ہوئی۔ اسی لئے میں کہتا رہا ہوں کہ پاکستان کا باپ اسلام ہے اور ماں جمہوریت ہے۔ لہٰذا یہاں الیکشن ہوتے رہنے چاہئیں ورنہ یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔

انتخابات میں ووٹ کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی پالیسی یہ رہی ہے کہ ہمارے رفقاء ووٹ کسی اہل امیدوار کو دے سکتے ہیں۔ اہل کے لئے ہم نے دو شرطیں رکھی تھیں:

(1) جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ شخص پابند شریعت ہو

(2) کسی ایسی جماعت میں شامل نہ ہو جس کے منشور میں کوئی شے خلاف اسلام ہو۔ یہ دونوں شرطیں اگر پوری ہو جائیں تو اسے ووٹ دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تنظیم اسلامی نے ہمیشہ دینی جماعتوں سے درخواست کی ہے کہ وہ انتخابات کا راستہ ترک کر کے نہی عن المنکر کی بنیاد پر ملک میں نفاذ اسلام کے لئے پُرامن مطالباتی' مظاہراتی اور احتجاجی تحریک شروع کریں۔ اس تحریک کے دوران اگر کارکنوں کو جانیں دینی پڑیں تو وہ اس سے دریغ نہ کریں' لیکن وہ خود کسی کی جان نہ لیں تو انہیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ایران میں ہوا تھا۔ لیکن افسوس ہماری اس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا۔ تاہم اب خوش آئند بات یہ ہے کہ ہماری ایک دوسری تجویز کے مطابق ملک میں پہلی بار دینی قیادت متحد ہو کر مجلس عمل کی صورت میں انتخابات میں حصہ لے رہی ہے۔ یہ ایک اچھی علامت ہے جو پاکستان میں پہلی بار ظاہر ہوئی ہے۔ اگرچہ اب بھی انہیں اسمبلی میں کوئی فیصلہ کن اکثریت حاصل ہونے کی امید نہیں ہے' تاہم اس اتحاد کی برکت سے انہیں کچھ مناسب تعداد میں سیٹیں ملنے کا امکان موجود ہے۔ ایسی صورت میں یہ حضرات سیکولرازم کی راہ روکنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے' جس کی طرف یہ ملک بگٹٹ بھاگ رہا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر تنظیم اسلامی نے یہ طے کیا ہے کہ ہم متحدہ مجلس عمل کی حمایت کریں گے۔ خاص طور پر مجلس کی طرف سے جن علماء کرام اور معروف دینی شخصیات کو کھڑا کیا گیا ہے ان کے لئے ہماری مکمل حمایت ہوگی۔

بقیہ: اداریہ

انہیں عملاً یہ ثابت کرنا چاہئے کہ حکومتی عہدے اور اسمبلیوں کی سیٹیں ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں' ان کی اصل وابستگی نظریہ پاکستان یعنی اسلام سے ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام تو ابھی بڑی دور کی بات دکھائی دیتی ہے' ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر مذہبی جماعتوں نے حقیقی اتحاد کا مظاہرہ نہ کیا تو سیکولرازم کے راستے میں دیوار بننے کا جو دعویٰ وہ کرتے ہیں وہ بھی سراب ثابت ہوگا۔ اور ہم یہ کہنے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتے کہ اس کی تمام تر ذمہ داری خود مذہبی جماعتوں پر ہوگی۔ ان انتخابات میں نفاذ اسلام کا نعرہ زور و شور سے نہ لگا کر مذہبی جماعتیں درحقیقت اپنی جنگ دوسری دفاعی لائن پر لڑ رہی ہیں۔ اگر وہ اپنی یہ دفاعی لائن بھی قائم نہ رکھ سکیں تو قرائن یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک میں جسے مملکت خداداد پاکستان کہا جاتا ہے' انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ واللہ اعلم

تنظیم اسلامی کے جانشین کی نامزدگی کا پس منظر اور طویل مشاورتی عمل کی تفصیل

بانی امیر تنظیم اسلامی نے اپنے جانشین کی نامزدگی کا اعلان فروری 98ء میں کیا تھا۔ تنظیم کے ملتزم رفقاء کی اکثریت اس فیصلے کے پس منظر اور اس کے لئے مشاورت کے ان تمام سابقہ مراحل سے بخوبی واقف ہے جن سے گزر کر یہ فیصلہ ہوا۔ تاہم تنظیم اسلامی کے بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے امارت کی منتقلی کے موقع پر اس طویل مشاورتی عمل کے مراحل اختصار کے ساتھ قند مکرر کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں جو نہ صرف سینئر رفقاء کے اذہان میں تازگی کا باعث بنیں گے بلکہ قافلۂ تنظیم میں شامل ہونے والے نئے رفقاء بھی جانشینی کے تقرر کی تاریخ اور پس منظر سے آگاہ ہو سکیں گے۔ (ادارہ)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے 14 فروری 98ء کو لاہور میں رفقاء کے ایک خصوصی اجتماع میں اپنے بعد آنے والے تنظیم کے امیر کی نامزدگی کا اعلان کیا تھا۔ امیر محترم اس وقت اپنی عمر کے 66 برس مکمل کر چکے تھے۔ عمر رسیدگی اور بگڑتی ہوئی صحت کے پیش نظر چند سال پہلے سے انہوں نے تنظیم کے آئندہ امیر کے معاملے میں سوچ بچار شروع کر دیا تھا۔ تنظیم اسلامی کے دستور کی رو سے انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اگلے امیر کی نامزدگی کا اعلان کریں یا اس معاملے کو مرکزی شوریٰ پر چھوڑ دیں کہ وہ ان کے بعد نیا امیر منتخب کر لے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ آئندہ جو بھی امیر تنظیم مقرر ہوں گے تنظیم کے تمام رفقاء نئے سرے سے ان کی بیعت کریں گے۔ محترم ڈاکٹر صاحب مسلسل اس چھان پھٹک میں لگے ہوئے تھے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت تنظیم کے حق میں بہتر ہو سکتی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے جو بھی فہم حاصل کیا ہے اس کی روشنی میں انہوں نے تنظیم قائم کرنے میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا ہے لہٰذا قدرتی طور پر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد کم از کم فوری طور پر تنظیم اپنا رخ تبدیل نہ کر لے کیونکہ ہمارے ہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی ادارے کا بانی رخصت ہوا تو اس ادارے نے بھی دوسرا کوئی راستہ چن لیا۔ بہرحال جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہمارے ذمہ صرف کوشش کرنا ہے اختیار کل کا کل اللہ کا ہے اللہ چاہے گا تو تنظیم اپنے صحیح رخ پر قائم ہوگی۔

سوچ بچار کا آغاز

اپریل 1995ء میں لاہور میں ملتزم رفقاء کا ایک خصوصی اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس میں امریکہ اور ابوظہبی سے بھی رفقاء نے شرکت کی تھی۔ اجتماع کا ایک اہم مقصد تنظیم کے موجودہ طریق کار اور امیر تنظیم کی نامزدگی پر غور کرنا اور اس بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔ جو تجاویز مرتب کی گئیں وہ یہ تھیں:

(1) تنظیم میں شمولیت کے لئے بیعت کا جو نظام اختیار کیا گیا ہے اسے جاری رکھا جائے اور جب تنظیم کے نئے امیر چارج سنبھالیں تو تنظیم کے تمام رفقاء نئے سرے سے ان سے بیعت کریں۔

(2) تنظیم کے اگلے امیر کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑنے کی بجائے امیر محترم اپنی زندگی میں ان کے نام کا اعلان کریں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اگست 1995ء میں شوریٰ کے اجلاس میں بتایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی تنظیم کے اگلے امیر کی نامزدگی کا سوچا ہے لیکن نام کا اعلان کرنے کی بجائے ان کا خیال ہے کہ اس کی وصیت تحریر کر دیں اور بعد میں کسی وقت اگر ضرورت محسوس ہو تو وصیت میں درج نام تبدیل بھی کر سکیں۔ آپ نے اس پر شوریٰ کے اراکین کی رائے طلب کی اور ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کیا۔

اپریل 1996ء میں لاہور میں ملتزم رفقاء کا دوسرا سالانہ مشاورتی اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں بھی رفقاء کو امارت کے مسئلے پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ بڑی تفصیل سے اس پر گفتگو ہوئی۔ اپریل 1997ء میں تیسرے سالانہ اجتماع کے دوران امیر محترم نے بتایا کہ صحت کی خرابی اور بالخصوص گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باعث وہ تنظیم کی امارت اب کسی اور شخص کے حوالے کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ رفقاء نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ امیر محترم وصیت کی بجائے تنظیم کے آئندہ امیر کے نام کا باقاعدہ اعلان کر کے انہیں کچھ عرصہ اپنے ساتھ کام کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اس دوران ان کی تربیت بھی ہو جائے لیکن امارت اپنے پاس ہی رکھیں۔ اجتماع کے بعد شوریٰ کے اجلاس میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی کہ آئندہ امیر کے نام کا اعلان کر دینا بہتر ہے۔ خود امیر محترم اگرچہ وصیت کے حق میں تھے تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ ملتزم رفقاء کی مزید آراء جاننے کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ اسی سال 26 اکتوبر تا یکم نومبر قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ملتزم رفقاء کا اجتماع ہوا مگر اس میں بھی کم و بیش سابقہ آراء کا اعادہ کیا گیا جس پر اجتماع میں موجودہ رفقاء سے ایک خفیہ بیلٹ کے ذریعے آئندہ امیر تنظیم کے نام کے بارے میں آراء طلب کی گئیں۔ نتیجے میں چھ نام سامنے آئے جو حروف تہجی کے اعتبار سے درج ذیل ہیں:

(1) چوہدری رحمت اللہ بٹر (2) ڈاکٹر عبدالخالق (3) عبدالرزاق قمر (4) ڈاکٹر عبدالسمیع (5) حافظ عاکف سعید (6) انجینئر مختار حسین فاروقی۔

ان چھ حضرات کو پہلے سے مرتب ایک سوالنامہ کی روشنی میں رفقاء سے خطاب اور ان کے سوالات کا جواب دینے کی دعوت دی گئی۔

اظہار خیال کرنے والے متوقع جانشینوں میں سے پانچ کو عارضی طور پر "آڈیٹوریم بدر" کر دیا گیا تاکہ وہ اظہار خیال سے پہلے اپنے پیش رو کے بیان کردہ نکات سے ذہن سازی نہ کر سکیں بلکہ خالص اپنا ذہن رفقاء کے سامنے رکھیں۔ مذکورہ اصحاب کو امیر محترم نے ایک پرچہ سوالات بھی دیا جس کی روشنی میں انہیں اظہار خیال کرنا تھا۔

متوقع جانشینوں میں سے اظہار خیال کی ابتداء جناب رحمت اللہ بٹر سے ہوئی۔ بٹر صاحب نے مذکورہ سوالنامے میں شامل سوالات کا ترتیب وار جواب دیتے ہوئے اپنا ذاتی اور خاندانی تعارف کرانے کے بعد تنظیم اسلامی سے وابستگی کا مختصراً ذکر کیا۔ بٹر صاحب ایم اے اسلامیات کے ساتھ ساتھ قرآن اکیڈمی سے دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس سے بھی فارغ التحصیل ہیں انہیں ذاتی مطالعہ سے دلچسپی اور درس و تدریس سے وابستگی حاصل ہے۔ تین مرتبہ دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ تنظیم کی دعوت کو پنجابی زبان میں بیان کرنے کی اضافی صلاحیتوں سے بھی "مسلح" ہیں۔ تنظیم اسلامی کی کوتاہیوں پر لب کشائی کرتے ہوئے بٹر صاحب نے کہا کہ تنظیم اسلامی میں کوئی ایسی بڑی کوتاہی یا خامی نہیں ہے جس کی بنیاد پر بھی تنظیم سے علیحدگی کا خیال آیا ہو۔ البتہ تنظیم اسلامی میر محترم کی نسبت زیادہ معروف نہیں ہے چنانچہ متفرات پر مواخذہ کیا جائے تو ہماری عوامی سطح پر پہچان ہو

سکے گی۔

جناب ڈاکٹر عبدالخالق نے بھی پہلے اپنے ذاتی اور خاندانی کوائف بیان کئے۔ موصوف نے قرآن اکیڈمی سے دوسالہ دینی تعلیم کا کورس مکمل کیا ہوا ہے' انہوں نے بتایا کہ میں نقیب اسرہ کے منصب سے درجہ بدرجہ نائب امیر کے منصب تک پہنچا ہوں۔ دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت تین مرتبہ حاصل کر چکے ہیں۔ ذاتی مطالعہ بہت کم ہے۔ انہوں نے کہا کہ آرمی ڈسپلن اور اسلامی انقلابی جماعت میں فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ رفقاء پر نظم کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فکر آخرت سے بھی مدد لینی ہو گی۔ انہوں نے کہ ہمارے ہاں انذار کا پہلو ترغیب وتشویق سے غالب ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ایک موقع پر مجھے امیر تنظیم اسلامی سے شدید اختلاف ہوا تھا۔ یہ موقع جماعت اسلامی کے ساتھ اشتراک عمل کی تجویز کے حوالے سے تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں رفقاء کے دینی جذبہ کو ابھار کر نظم کی پابندی کرنا ہو گی اور دفاعی انداز کی بجائے اب ہمیں جارحانہ انداز میں کام کرنا ہوگا۔

ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق ایم اے اسلامیات ہیں۔ انہوں نے بھی اپنا ذاتی اور خاندانی تعارف کرایا۔ امیر محترم کے حکم پر اپنی ملازمت کو ترک کر کے لاہور آ گئے۔ امیر محترم کے پرسنل سیکرٹری سے تنظیم کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر پہنچے ہیں۔ قرآن اکیڈمی سے ایک سالہ دینی تعلیم کے کورس سے فارغ التحصیل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تنظیم کے نظم کو بہتر بنانا ہوگا اور باہمی اخوت ومحبت میں اضافہ کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں دعوت کی توسیع پر زیادہ توجہ دینا ہو گی اور اسے وسیع حلقے تک پھیلانا ہوگا۔ میثاق اور ندائے خلافت کی اشاعت کو بھی بڑھانا ہوگا۔

ڈاکٹر عبدالسمیع بی ڈی ایس ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے بھی ذاتی اور خاندانی کوائف سے اپنی بات شروع کی۔ پہلے سالانہ اجتماع ہی سے تنظیم میں شامل ہوئے۔ تنظیم اسلامی میں مختلف مناصب سے ترقی کرتے ہوئے نائب ناظم اعلیٰ بیرون پاکستان بھی رہے جبکہ اب معاون امیر تنظیم اسلامی برائے بیرون پاکستان ہیں۔ انہیں امیر محترم سے کبھی شدید اختلاف نہیں ہوا بلکہ بقول ان کے وہ امیر محترم کے اشاروں تک کو سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب حلقہ خواتین کے الگ وجود کے بارے میں امیر محترم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ انجمن کی تین سالہ فیلوشپ سکیم کے ''فیلو'' بھی رہے ہیں۔ ذاتی مطالعے کا سرے سے شوق نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا کہ دعوتی سرگرمیوں میں اضافے کی بجائے ہمیں تنظیمی صلاحیت میں اضافہ کرنا چاہئے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ میرا نظم سے کوتاہی کی وجہ سے عارضی طور پر تنظیم سے اخراج بھی ہو گیا تھا۔

جناب حافظ عاکف سعید امیر محترم کے فرزند ارجمند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس وقت رفقاء کی عدالت میں پیش ہوں۔ میں اپنے آپ کو قطعاً جانشین کے منصب کا اہل نہیں سمجھتا اور میری دعا ہے کہ پروردگار مجھ سے وہ بوجھ نہ اٹھوائے جس کی مجھ میں استطاعت نہ ہو۔ ﴿ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به﴾ برادرم عاکف صاحب نے فلسفہ میں ایم کیا ہوا ہے۔ تنظیم اسلامی کے تاسیسی رفیق ہیں۔ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے مدیر کے علاوہ شعبہ نشر واشاعت کے ناظم کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔ تحریک خلافت کے قیام کے موقع پر اس کے اہداف و مقاصد کی تعیین کے حوالے سے امیر محترم سے اختلاف رائے پیدا ہوا تھا جو بعد ازاں تحریک خلافت کے مقاصد میں ترمیم کے بعد رفع ہو گیا۔ انجمن کے تحت تین سالہ فیلوشپ کورس کے فارغ التحصیل ہیں۔ کتب تفاسیر اور احادیث کے مطالعے کے علاوہ تاریخ اور جغرافیے سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ تین بار دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ تنظیم کی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ رفقاء میں ابھی تک سمع وطاعت کے تقاضوں کا شعور اجاگر نہیں ہوا۔ تمسک بالقرآن اور باہمی اخوت ومحبت کی فضا بھی تاحال معیار مطلوب سے بہت کم ہے۔ تنظیم کے داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ ہمیں دعوت کی توسیع کا کام کرنا ہوگا اور تنظیم کو وسیع پیمانے پر متعارف کروانے کے لئے مظاہروں کی تعداد کو بڑھانا ہوگا۔

جناب مختار حسین فاروقی بی ایس سی انجینئر ہیں۔ فاروقی صاحب کی امیر محترم سے پہلی ملاقات جنوری 68ء میں ہوئی جبکہ تنظیم اسلامی سے اپنی فعال وابستگی کو وہ 84ء سے شمار کرتے ہیں۔ اس وقت حلقہ جنوبی پنجاب کے امیر کے منصب پر فائز ہیں۔ کراچی اور لاہور کے دینی مدارس سے مختلف اوقات میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر میں یکساں مہارت کے حامل ہیں۔ کئی مرتبہ دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ ایک مرتبہ قرآن اکیڈمی لاہور میں بھی یہ ذمہ داری ادا کر چکے ہیں۔ مختار حسین فاروقی صاحب کے نزدیک منہج انقلاب نبویؐ میں بیان کردہ تربیتی تقاضے پورے نہیں کئے جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں منہج انقلاب نبویؐ میں مندرجہ اوصاف کو رفقاء کے اندر پروان چڑھانے کے لئے زیادہ محنت اور توجہ سے کام کرنا ہوگا۔ احتسابی رپورٹوں کے نظام کو بھی نسبتاً آسان بنانا چاہئے۔ انہوں نے ایک دلچسپ بات بتائی کہ ان کے والد محترم کی انہیں یہ نصیحت تھی کہ ''جماعت اسلامی میں کبھی شامل نہ ہونا''۔

(اس طریقے سے رفقاء کو ان چھ افراد کا تعارف حاصل کرنے اور ان کی تحریکی سوچ اور صلاحیت کو جانچنے کا کسی قدر موقع ملا۔)

بعد ازاں دسمبر 1997ء میں شوریٰ کے اجلاس میں اس پر غور ہوا۔ اس کے علاوہ رفقاء ذاتی طور پر بھی امیر محترم کو اپنی آراء اور تجاویز پیش کرتے رہے۔ آخر میں ماہ رمضان 1418ء کے پہلے عشرہ میں محترم ڈاکٹر صاحب نے استخارہ کر کے اس بارے میں حتمی رائے قائم کی اور 14 فروری 1998ء کے خصوصی اجتماع میں اس کا اعلان کیا' جس کی رو سے حافظ عاکف سعید کو تنظیم اسلامی کے آئندہ امیر کے طور پر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے اس فیصلے میں جب بھی ضرورت محسوس کریں گے ترمیم وتنسیخ کر سکتے ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کرتے وقت صرف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص اور تنظیم کے مستقبل کو ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بہت ہی نازک مرحلہ تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنے خاندان میں سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے سے کئی کترانا چاہتے تھے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ اہم تھی کہ محض اس وجہ سے وجہ کہ وہ میرا بیٹا ہے اس معاملے سے باہر رکھنا جائز نہ ہوگا' لہٰذا ان کے لئے اس بارے میں فیصلہ کرنا بہت ہی کٹھن کام تھا۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر خاصا اطمینان ہوا ہے کہ تنظیم کے تمام رفقاء خصوصاً سینئر رفقاء نے فیصلے کو بڑی خوشدلی کے ساتھ قبول کیا ہے جو تنظیم کے لئے بہت خوش آئند بات ہے۔ عزیزم عاکف سعید کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ اپریل 1997ء تک اس کا نام ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا (جس کی بڑی وجہ ان کی صحت سے متعلق بعض عوارض تھے جن کے پیش نظر میں نے اس سے پہلے انہیں Consider نہیں کیا تھا۔) تب پہلی دفعہ میرے ''بزرگ ساتھیوں'' قمر سعید قریشی اور شیخ جمیل الرحمٰن نے اس جانب توجہ دلائی۔ لیکن اُس وقت میں نے شعوری طور پر اس بات کو اپنے ذہن سے خارج کر دیا تھا اور جولائی 1997ء میں جب میں امریکہ روانہ ہوا تو اسی شخص کے حق میں وصیت برقرار رکھی جو پچھلے کئی برسوں سے نامزد چلے آ رہے تھے۔ لیکن اکتوبر 1997ء کی رائے شماری میں چوتھے نمبر پر عزیزم عاکف کا نام دیکھ کر خود مجھے بھی حیرت ہوئی' نیز اس موقع پر حافظ عاکف سعید نے جس طرح اپنے آپ کو پیش کرنے میں سادگی اور بے ساختگی کا مظاہرہ کیا وہ بھی میرے لئے خاصا متاثر کن تھا۔ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس نے اپنی صحت کے حوالے سے ان تکالیف کا صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے خاص طور پر ذکر کیا جو اس سے قبل صرف گھر والوں کے علم میں تھیں۔ چھ کے گروپ میں اپنے آپ کو سب سے کمتر ظاہر کر کے انہوں نے چاہا کہ تنظیم کی امارت کا بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے لیکن یہ

(باقی صفحہ 14 پر)

میری سب سے مؤکد وصیت یہ ہے کہ تنظیم اسلامی ایسا کوئی راستہ اختیار نہ کرے جو منہاج نبویؐ سے مطابقت نہ رکھتا ہو

انقلابی جدوجہد میں سب سے اہم اور کٹھن مرحلہ ''صبر محض'' کے مراحلے سے ''اقدام'' کے مرحلے کو شفٹ کرنا ہے

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ قیامت سے قبل کل روئے ارضی پر دین اسلام غالب ہوگا لیکن یہ کام درجہ بدرجہ ہوگا

دعوت بذریعہ قرآن' تنظیم بربنائے بیعت' غلبہ دین حق کا واضح ہدف اور منہج انقلاب نبویؐ کو تنظیم اسلامی کے محکمات اربعہ کی حیثیت حاصل ہے

موجودہ حالات میں جبکہ پوری دنیا میں اسلام کے انقلاب فکر کی حامل تحریکیں ناکام ہو چکی ہیں' خدشہ یہ ہے کہ وہ فکر بھی ختم نہ ہو جائے

تنظیم اسلامی کی سب سے بڑی ذمہ داری اس فکر کی حفاظت اور اس کو سینے سے لگا کر رکھنا ہے

تنظیم اسلامی کی امارت کی منتقلی کے اعلان کے موقع پر بانی امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے اراکین عاملہ ومجلس شوریٰ سے خطاب کا دوسرا حصہ جو اہم اصولی ہدایات پر مشتمل ہے

زمان ومکان کے حوالے سے اس بات کا شعور کہ ہم تاریخ کے کس مرحلے اور کس جگہ پر ہیں' کسی بھی دینی تحریک کے کارکنوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ درحقیقت ہمارا وجود تاریخ کا ایک تسلسل ہے۔ تنظیم اسلامی کوئی **Bolt from the blue** نہیں ہے کہ اچانک آسمان سے ٹپک پڑی ہو۔ بعض افراد اپنے کام کے بارے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ جو بھی فکر پیش کر رہے ہیں' وہ ان کا طبع زاد ہے۔ لیکن میرا طرز عمل اس کے برعکس یہ رہا ہے کہ میں نے اپنی ان چار **Sources** کو بے شمار مواقع پر واضح کر دیا ہے کہ جن سے میں نے استفادہ کیا۔ تنظیم اسلامی دراصل جماعت اسلامی کی تحریک ہی کا تسلسل ہے۔

دیکھئے ہم نشاۃ ثانیہ کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں' تاہم امت مسلمہ کے حوالے سے یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ مسلمان قوم کی حیثیت سے امت کی اب نشاۃ ثالثہ ہو رہی ہے' ثانیہ نہیں۔ دو مرتبہ کا عروج اور دو مرتبہ کا زوال یہ امت دیکھ چکی ہے۔ اس کے بعد یہ تیسری مرتبہ کا عروج ہے جس کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں۔ اسلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ دراصل اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ اسلام صرف ایک ہی مرتبہ ابھرا تھا اور خلافت راشدہ کے بعد اس کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا ''اسلام جب ظاہر ہوا تو بہت اجنبی سا تھا' (کوئی اس کا جاننے پہچاننے والا نہیں تھا) اور عنقریب پھر وہ دوبارہ ویسا ہی ہو جائے گا۔ پس تہنیت اور مبارک باد ان لوگوں کے لئے ہے جو اس حالت غربت میں اسلام کے ساتھ چمٹے رہیں اور خود بھی اجنبی ہو جائیں''۔ یعنی ماحول میں اجنبی ہو جائیں' انہیں دقیانوسی اور فنڈامنٹلسٹ کہا جائے۔ بہرحال خلافت راشدہ کے خاتمہ کے ساتھ ہی اسلام کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ البتہ امت کا عروج جاری رہا' جو کہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے عہد میں اپنی **Peak** کو پہنچا۔ جبکہ اسلام مسلسل زوال پذیر رہا' سوائے یہ کہ نشاۃ ثانیہ کا عمل دھیمی آنچ کے انداز میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ شروع ہوا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں' اس کا تعلق اسلام کے دوسرے ہزار سال سے ہے۔ جب دوسرا ہزار سال شروع ہوا تو اب تمام مجددین امت ہندوستان میں آئے ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی الف ثانی تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اصل کارنامہ یہ تھا کہ وحدت الوجود کے غلط تصور کے تحت جو ہمہ اوستی تصورات پیدا ہو گئے تھے' ان کا قلع قمع کیا۔ دوسرے آپؒ نے اتباع سنت پر زور دیا' کیونکہ دین اکبری میں صرف اللہ کو ماننا ضروری تھا' رسالت سے تعلق توڑ کر انہوں نے مختلف مذاہب کے اشتراک سے اپنے لئے نئی شریعت وضع کر لی تھی۔ لہٰذا آپؒ نے اس فتنے کا سدباب کیا۔ شاہ ولی اللہ نے بارہویں صدی ہجری میں علوم اسلامی کی تحقیق وتجدید کا کارنامہ سرانجام دیا اور قرآن مجید کے مطالب ومعانی کو پہلی مرتبہ برصغیر پاک وہند کے اندر متعارف کرایا۔ آپؒ نے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا جو اس وقت کی سرکاری زبان تھی۔ بعد ازاں آپؒ کے دو بیٹوں نے اردو میں ترجمے کئے جو ابھی تک مستند تراجم سمجھے جاتے ہیں۔ تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد بریلوی شہیدؒ تھے۔ آپؒ نے جہاد اسلامی کی روح کو زندہ فرمایا۔ اس میں ترتیب وہی تھی کہ پہلے لوگوں کی اصلاح ہو' تزکیہ نفس ہو' ان کی نیتیں درست ہوں' ان کے کردار درست ہوں اور پھر وہ غلبہ دین اور اقامت دین کے لئے جہاد کریں۔ اس کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ چودھویں صدی کے مجدد شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ تھے۔ انہوں نے بہت ہی باصلاحیت تلامذہ کی ایک ٹیم چھوڑی' فقہ میں مولانا انور شاہ کاشمیری' تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی' سلوک میں مولانا اشرف علی تھانوی' انقلابی نظریات میں مولانا عبیداللہ سندھی۔ بظاہر یہ ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف شخصیتیں ہیں لیکن سب درحقیقت اسی شجر طیبہ کے پھل ہیں۔ دوسری بڑی بات آپ کی طرف سے یہ آئی کہ اب علماء کے اندر صلاحیت نہیں ہے کہ وہ امت کی قیادت کر سکیں۔ لہٰذا آپؒ نے یہ تجویز پیش کی کہ ابوالکلام کو امام الہند مانو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کر دو۔ اگرچہ یہ تجویز مسترد کر دی گئی تاہم اس بات سے شیخ الہند کے وسعت قلبی ودینی ہی نہیں وسعت نظری و فکری کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپؒ کے علاوہ چودھویں صدی ہجری میں چار جزوی مجددین بھی پیدا ہوئے۔ اسلام کے انقلابی فکر اور تصور کا مجدد اقبال ہے۔ اگرچہ اس انقلابی فکر کی منطقی انتہا کہ اس کام کے لئے ایک انقلابی جماعت قائم ہونی چاہئے وہ ان کی زندگی میں نہیں ہوا لیکن ان کے ذہن میں وہ نقشہ موجود تھا جو ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے حوالے سے ''اقبال کی آخری خواہش'' کے عنوان سے ہم نے ایک کتابچے میں شائع کیا ہے۔ حیرت انگیز طور پر بعینہٖ وہ نقشہ ان کے پیش نظر تھا جس نقشے پر تنظیم اسلامی قائم ہوئی ہے' حالانکہ میں سرے سے واقف ہی نہیں تھا کہ اس طرح کا کوئی معاملہ کبھی علامہ اقبال کا بھی تھا۔ اس

کے بعد دعوت الی القرآن اور بیعت کی بنیاد پر تاسیس جماعت کے مجدد ابوالکلام تھے۔ اقامت دین کا تصور اور اس کے مختلف تقاضے اور اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے' اس کے مجدد ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ جبکہ مولانا الیاس صاحب نے ایک محدود انداز میں تبلیغ کی تجدید کی ہے' اسے ایک اتنا بڑا کام بنا دیا ہے کہ پوری دنیا کے اندر اس کا چرچا نظر آتا ہے۔ بہرحال اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے یہ مختلف مراحل میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں اور اب میرے نزدیک وہ آخری منزل دور نہیں ہے جب کہ احادیث کے مطابق کل روئے ارضی پر اسلام غالب ہوگا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے' یہ بات قرآنی آیات کے صغریٰ کبریٰ سے بھی ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''حضور ﷺ کو بھیجا گیا غلبہ دین کے لئے اور بھیجا گیا پورے عالم انسانیت کے لئے۔ لہٰذا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب پورے عالم انسانیت پر اللہ کا دین غالب ہوگا تو مقصد بعثت محمدیؐ پورا ہوگا۔ اس کے لئے واضح خوش خبریاں دی ہیں حضرت محمد ﷺ نے۔ میرے خیال میں یہ کام آئندہ ایک دو نسلوں میں ہو جائے گا۔ واللہ اعلم!

البتہ اس ضمن میں سورۃ الانشقاق کی آیات کے حوالے سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کام ﴿لترکبن طبقا عن طبق﴾ کے مصداق درجہ بدرجہ ہوگا۔ یہ امتیاز صرف حضور ﷺ کو حاصل ہے کہ آپؐ نے ایک Life Span میں اسے مکمل کر دیا تھا۔ اب دوبارہ یہ کام ہوگا تو تدریجاً ہوگا۔ کسی کے دماغ میں یہ خناس نہیں ہونا چاہئے کہ میری زندگی میں یہ لازماً کام ہو جانا چاہئے۔ جس کے دماغ میں یہ خناس پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ الٹی سیدھی تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح کسی جماعت کو یہ نہیں سمجھنا کہ ہم ہی واحد اس کام کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ دین کے اس تجدید کے عمل میں اور جماعتیں بھی اپنے اپنے مختلف انداز میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان سب کی مساعی کا حاصل اس تجدیدی عمل کو آگے بڑھانے میں معین و مددگار ہے۔

یہاں تک تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ہم کہاں کھڑے ہیں' زمان و مکان کے حوالے سے ہماری یہ تحریک کس حیثیت میں ہے۔ امارت کی منتقلی کے اس موقع پر میں اب چاہتا ہوں کہ اس تحریک کے جو محکم اساسات ہیں ان کو بیان کر دوں تا کہ ان چیزوں کو ہم مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ کسی وقتی صورت حال میں بہہ کر ہم کسی سائیڈ لین میں اتنے آگے نکل جائیں یا اتنے آگے بڑھ جائیں کہ پھر واپس آنا ممکن نہ ہو۔ ہماری تنظیم کی اساسات میں پہلی بات ہے دعوت بذریعہ قرآن۔ ہمارا مرکز و محور قرآن' اسی کو پڑھنا پڑھانا' سیکھنا سکھانا' اسی کے لئے عربی سیکھنا سکھانا ہونا چاہئے۔ یہ ہمارا محور رہے گا' مرکز رہے گا تبھی درحقیقت ہماری تنظیم صحیح نہج پر آگے بڑھے گی اور ہماری تحریک میں پیش رفت ہوگی۔ اس دعوت بالقرآن کے دو ہدف ہیں۔ سب سے پہلے دعوت الی اللہ' اس سے میری مراد دعوت ایمان ہے۔ یعنی معرفت خداوندی کا گہرا ہو جانا' اللہ کی محبت کا ہر چیز پر غالب آ جانا۔ دوسرا ہدف ہے دعوت الی سبیل اللہ یا دعوت الی الدین۔ اس دعوت دین کے اندر ہی فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی بھی شامل ہے۔ اس کام کے لئے مرکز و محور' اس کی اساس' اس کا آلہ' اس کا ذریعہ قرآن ہے۔ ہماری دوسری اساس یہ ہے کہ وہ لوگ جو کم از کم اس قدر ایمان کا ثبوت دے دیں کہ شریعت کے وہ احکام جن پر عمل کرنا ممکن ہو اس پر عمل پیرا ہوں' ان کی بیعت کی بنیاد پر تنظیم سازی کی جائے۔ یہ بیعت کا نظام ہم نے سوچ سمجھ کر منہاج محمدیؐ سے اخذ کرتے ہوئے اختیار کیا ہے' اس پر بڑی بحثیں ہوئی ہیں' ہم بڑے استہزاء کا نشانہ بھی بنے ہیں۔ خود ہم نے 77ء میں جب بیعت کی اساس کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو کہا تھا کہ ابھی کچھ عرصہ اس کا ذکر نہیں کریں گے۔ بہرحال ان ساری چیزوں سے ہم گزر چکے ہیں اور اللہ کا ہم پر بڑا فضل ہوا ہے کہ ہم نے ایک مردہ سنت کو زندہ کیا ہے یعنی بیعت کی بنیاد پر تنظیم قائم کی۔ یہ ہماری محکم اساسات میں سے ہے۔ ہماری اس تحریک کی تیسری اساس یہ ہے کہ ہمارے پیش نظر اصل ہدف رضائے الٰہی کے حصول اور اخروی نجات کی غرض سے دین حق کا قیام و نفاذ ہے۔ چوتھی اساس یہ ہے کہ اس کام کے لئے لائحہ عمل کے طور پر ہمارے سامنے اصل حجت منہج انقلاب نبویؐ ہے' ہم اسی کو حتی الوسع اختیار کریں گے۔ اس معاملے میں حضور ﷺ کے اسوہ کو ہر پہلو سے دیکھنا ہوگا۔ مثلاً جیسا کہ تزکیہ کا معاملہ ہے۔ اس ضمن میں بھی ہم حضور ﷺ کے منہج کو مدنظر رکھیں گے۔ ہمارے یہاں خانقاہی طرز کا تزکیہ نہیں ہے۔ بلکہ تزکیہ کا وہ طریقہ ہے جو حضور ﷺ نے اختیار فرمایا اسے ہم سلوک محمدیؐ یا سلوک قرآنی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ذکر کا سب سے بڑا ذریعہ ''الذکر'' یعنی قرآن ہے۔ پھر نماز ہے اور اس کے بعد اذکار مسنونہ ہیں پھر کہیں جا کر اور کوئی اور ذکر ہے۔ اس مسنون سلوک میں نفس کے خلاف مجاہدہ کا اصل ذریعہ اقامت دین کی جدوجہد میں ''انفاق'' ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے مال خرچ کرو' اور یہ کہ جان بھی کھپاؤ۔ یہ مجاہدہ ہے نفس کے خلاف۔ یہی اصل سلوک ہے۔ باقی رہے سلوک کے مروج طریقے یعنی وہ مراقبے اور چلے کاٹنا' غاروں میں چلے جانا تو یہ چیزیں ثانوی درجے کی ہیں۔ ان کا اس سلوک محمدیؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو آنحضورؐ نے اپنے صحابہؓ کو تلقین فرمایا تھا۔ اقامت دین کی جدوجہد کے سلسلے میں جو بھی مخالف نفس کام کرنا پڑے وہی درحقیقت مجاہدہ مع النفس ہے۔

اس معاملے میں آخری اور اہم بات نوٹ رکھنے کی یہ ہے کہ اس جدوجہد میں سب سے کٹھن سب سے نازک مرحلہ Passive Resistence (صبر محض) کے مرحلے سے Active Resistence (اقدام) کی جانب منتقلی کا ہے۔ اس موقع پر بڑے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہوگی۔ یہ نہ ہو کہ کہیں جذبات میں بہہ کر باطل نظام سے بالفعل ٹکر لینے کا فیصلہ کر دیا جائے' حالانکہ ابھی مناسب تیاری نہ ہوئی ہو' یعنی ''چوں پختہ شوی'' کا معاملہ ابھی نہیں ہوا' نہ ابھی مناسب تعداد ہے اور نہ ابھی تربیت مکمل ہوئی ہے۔ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر کہ ہاں اب واقعی ہم ''پختہ شوی'' کا مرحلہ طے کر چکے ہیں تب اس کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

اب میں اپنی گفتگو کے تیسرے حصے کی طرف آ رہا ہوں۔ جس کے لئے ایک بڑا پیارا عنوان ہمارے کراچی کے ساتھی محمد سمیع صاحب نے اپنے ایک حالیہ خط میں قائم کیا ہے کہ ہماری تنظیم نے بعض مواقع پر Extra-Curricular Activities میں بھی حصہ لیا ہے۔ اس ضمن میں' میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا سبب کیا رہا۔ بلاشبہ ہم نے اپنے تنظیمی سفر میں ایسے کام بھی کئے جو ہمارے اپنے اس منہاج کا منطقی تقاضا نہیں تھے۔ بس وقتی طور پر ہم نے کسی شخص یا تحریک کے بارے میں خیر کی رائے قائم کی تو ہم نے کوشش کی کہ اس کا ساتھ بھی دیں۔ اس کا سبب ہمارا یہ گمان تھا کہ شاید اللہ کی نصرت خصوصی اس راستے سے آ رہی ہو۔ جیسا کہ سیرت میں ہمیں معلوم ہے کہ مدینے میں جو حالات بدلے وہ بعض اعتبارات سے بالکل غیر متوقع تھے۔ مدینہ میں تو ابھی حضور ﷺ کے قدم مبارک پہنچے بھی نہیں تھے۔ لیکن اللہ کی نصرت خصوصی کا ظہور ہوا اور سن 10 نبوی میں مدینے کی جانب ایک کھڑکی کھل گئی جس کے سبب حضور ﷺ کی جدوجہد کو تقویت حاصل ہوئی۔ لیکن یہ حالات اللہ کی طرف سے خصوصی نصرت کا ظہور تھے۔ اسی خیال سے بعض مواقع پر ہم نے سوچا کہ شاید اللہ کی خصوصی نصرت سے یہ راستہ کھلا ہو۔ اس ضمن میں اگر ہم تنظیم اسلامی کی 27 سالہ زندگی کا جائزہ لیں تو ہم نے اس نوع کے سات معاملات میں حصہ لیا:

(۱) پہلا معاملہ صدر ضیاء الحق کی شوریٰ میں میری شرکت کا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے پہلے ان کی طرف سے وزارت کی پیش کش آئی تھی جو میں نے رد کر دی تھی۔ کراچی میں صدر ضیاء الحق کے قریبی عزیز ڈاکٹر نور الٰہی صاحب جو ابھی زندہ ہیں ان کا پیغام لے کر آئے تھے۔ میں نے انکار کر دیا کہ نہیں میں اس قابل نہیں ہوں اور نہ ہی میں ان Corridores of Power میں کبھی گھوما پھرا ہوں' مجھے وہاں کے نہ آداب معلوم ہیں نہ طور طریقے'

دوسرے یہ کہ آپ لوگ کام کرنے نہیں دیں گے کیونکہ اصل حکومت فوج کی ہے اور بدنام ہم ہوں گے کہ یہ کچھ نہیں کر سکے۔ لہٰذا میں نے معذرت کر لی اور انکار کر دیا تھا۔ جس پر ڈاکٹر نور الٰہی صاحب نے فرمایا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ آپ یہی کہیں گے۔ خیر اس کے بعد شوریٰ کی پیشکش آئی تو وہ میں نے قبول کر لی۔ وہ اس لئے کہ اگر میں منبر پر کھڑے ہو کر نصح و خیر خواہی کے جذبے سے حکومت کو مشورے دیتا یا مطالبے کرتا ہوں کہ یہ کرو' یہ نہ کرو' تو اگر قریب جا کر کہنے کا موقع ملے گا تو شاید میری بات ان کی سمجھ میں آ جائے۔ تاہم سب جانتے ہیں کہ شوریٰ میں دو مہینے سے زیادہ میں نے نہیں گزارے۔ جب مجھے اندازہ ہو گیا کہ ضیاء الحق کا اسلامی نظام قائم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو میں مستعفی ہو گیا۔ حالانکہ واقعتاً ان کا ارادہ ہوتا تو نظام مصطفیٰ تحریک کے نتیجے میں لوگوں کے جذبات جس درجے گرم ہو چکے تھے' کوئی بڑی رکاوٹ بیچ میں نہیں آ سکتی تھی۔

(۲) اس کے بعد ہم متحدہ شریعت محاذ میں شریک ہوئے۔ بعد میں ہمیں احساس ہوا کہ جن لوگوں نے اسے شروع کیا تھا وہ مخلص نہیں تھے۔ کیونکہ پہلے انہوں نے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر رمضان المبارک کی 27 تاریخ تک شریعت بل پاس نہ ہوا تو اسمبلیاں چھوڑ دیں گے' لیکن رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی انہوں نے کہہ دیا کہ سینیٹ ہم نہیں چھوڑیں گے۔ بہرحال ہم نے حسن ظن کی بنیاد پر ان کا ساتھ دیا تھا لیکن جب وہ حسن ظن ختم ہوا تو ہم بھی پیچھے ہٹ گئے۔

(۳) تیسری شے ہمارا تحریک خلافت کا ڈول ڈالنا تھا کہ کوئی ایسی تنظیم بھی ساتھ ہو جس میں بیعت کی کڑی گولی نہ ہو۔ اس میں ہم نے دیکھا کہ عوام کا رجوع بھی زیادہ تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ لوگ دستخط کرنے کو تو تیار تھے' لیکن عملی طور پر چلنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔ بہرحال ہم نے جلد ہی اس کی بساط بھی لپیٹ دی۔ یہ نہیں تھا کہ اب شروع کیا ہے تو کرتے ہی رہنا ہے۔ بلکہ ہم سے ایک غلطی ہو گئی تھی جس کی اصلاح کر لی گئی۔

(۴) چوتھا مرحلہ تکمیلِ دستورِ خلافت کی مہم کا ہے۔ 97ء کے الیکشن میں شریف فیملی کا برسر اقتدار آنا' مسلم لیگ کو دو مینڈیٹ ملنا جو کہ 46ء کے مینڈیٹ سے بھی بڑھ کر تھا۔ اور شریف فیملی کی یہ شہرت کہ وہ نمازی روزہ دار فیملی مشہور تھی' مولویوں کی سرپرستی کرتی تھی' اس مہم کا سبب بنا۔ یہ نوٹ کر لیجئے کہ ہمارے ہاں ان کا ایک پیسہ بھی کبھی نہیں آیا' نہ تنظیم کو نہ انجمن کو۔ پھر وہ خاص معاملہ ہو گیا جس کی تفصیل میں نے کئی مرتبہ بیان کی ہے کہ حرم مکی میں میاں شریف سے ملاقات ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں چاروں شرفاء یعنی میاں محمد شریف اور ان کے تین بیٹے میرے پاس چل کر آئے تو کچھ امید ہو گئی تھی کہ شاید دستوری و عدالتی ذریعے سے نفاذِ شریعت کی راہ ہموار ہو جائے۔ اس موقع پر تو میرے قریبی ساتھیوں میں مایوس ترین آدمی جناب سردار اعوان صاحب بھی پُر امید ہو گئے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تو کچھ ہو ہی جائے گا۔ لہٰذا ہم نے تکمیل دستور خلافت کی مہم چلائی' لیکن جب دیکھا کہ حاصل کچھ نہیں تو اس راستے کو چھوڑ دیا۔

(۵) اسی طرح ہم نے خود ایک متحدہ اسلامی انقلابی محاذ بنانے کا ڈول ڈالا۔ وہ بھی ناکام ہو گیا تو اس کی بساط بھی لپیٹ دی۔

(۶) اس کے علاوہ سود کے ضمن میں مطالباتی مہم میں بھی ہم نے حصہ لیا۔ اس معاملے میں بھی وفاقی شرعی عدالت کے تاریخ ساز فیصلے کے بعد عدالتی ذریعے سے ملک سے سودی نظام کے خاتمے کی جو توقع ہوئی تھی تو ہم نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ حکومت تو سودی نظام کے دفاع پر تل گئی ہے۔ اور سپریم کورٹ کے ذریعے اس ضمن میں کی گئی تمام تر پیش رفت کو غیر موثر بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ اب یا تو آپ میدان میں آ کر حکومت کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہوں لیکن ظاہر بات ہے کہ ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں لہٰذا زبانی کلامی احتجاج پر قناعت کرنا پڑی۔

(۷) اوپر بیان کردہ معاملات وہ ہیں جو پاکستان کے حالات کے اندر ہم نے خود اختیار کیے' لیکن ایک معاملہ خارجی بھی درپیش ہوا۔ وہ یہ کہ افغانستان کے طالبان کا امکانی حد تک ہم نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ صورت حال ہماری اختیار کردہ نہیں تھی۔ جب طالبان کی حکومت بنی تو شروع میں ہم نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ اس کے بعد ہم نے رفتہ رفتہ جب یہ دیکھا کہ انہوں نے کچھ اسلامی احکام بھی نافذ کئے ہیں تو ہم ان کی تائید میں آئے اور امکانی حد تک بھرپور انداز میں ان کے ساتھ چلے اور ان کی معاونت کی' اخلاقی طور پر بھی اور مالی طور پر بھی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ داخلی یا خارجی اسباب سے اس کے راستے بند ہو چکے ہیں' اور جو توقعات ہم نے وابستہ کی تھیں ان کے پورا ہونے کا ابھی وقت نہیں آیا تو ہم وہاں سے بھی واپس ہوئے اور اصل طریقہ کار یعنی منہج انقلاب نبویؐ پر اب ہم نے یکسو ہونے کا فیصلہ کیا۔ بہرحال ان معاملات کے ضمن میں یہ واضح رہنا چاہئے کہ ہم نے کسی وقتی مصلحت کے طور پر ان معاملات کو اختیار نہیں کیا تھا جیسا کہ عموماً سیاسی جماعتوں کا انداز ہوتا ہے کہ اگر کوئی لہر چل رہی ہے تو اس نہر کے اوپر سوار ہونے کی کوشش کی جائے تاکہ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں' بلکہ فی الواقع ان کاموں کو کارِ خیر سمجھ کر اور اس توقع میں کہ شاید ان ذرائع سے بھی اسلامی نظام کے قیام اور شریعت کے نفاذ کی راہ ہموار ہو سکے' ان کاموں میں حصہ لینے یا تعاون کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

البتہ اب تنظیم کی قیادت چھوڑتے ہوئے میری سب سے پہلی' سب سے بڑی اور سب سے محکم' سب سے مؤکد وصیت یہ ہے کہ تنظیم اپنا پورا زور ان محکمات اربعہ پر مرکوز کرے۔ اور آئندہ ان Side lanes کے اندر کسی معمولی Temptation سے تو داخل ہی نہ ہو۔ اس لئے کہ اب ثابت ہو گیا کہ Soft revolution (نرم انقلاب) نام کی کسی شے کا یہاں قطعاً کوئی امکان نہیں۔ جیسا کہ سود کے معاملے میں تجربہ ہوا کہ 30 سال کی جو محنت تھی وہ ایک دن میں ختم کر دی گئی۔ اس لئے کہ پاور جس کے پاس ہے' جج اس کی جیب میں ہیں۔ سارے اختیارات ان کے پاس ہیں' آپ کیا کر لیں گے۔ سوائے

اطلاع برائے رفقاء تنظیم اسلامی

دستورِ تنظیم کے مطابق تنظیم اسلامی میں منتقلیٔ امارت کے موقع پر تمام رفقاء تنظیم نئے امیر سے اقامت دین کی جدوجہد کے لئے از سرِ نو بیعت کرتے ہیں۔ الحمدللہ ان دنوں تنظیم اسلامی میں یہ مرحلہ بطریق احسن جاری ہے۔ یہ مرحلہ ان شاء اللہ العزیز 20 اکتوبر تک مکمل ہو جائے گا۔

بنابریں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ

مجوزہ سالانہ اجتماع بتاریخ 25 تا 27 اکتوبر

ملتوی کر دیا جائے۔

ان شاء اللہ العزیز آئندہ مارچ کے اوائل میں اس کے انعقاد کا ارادہ ہے
حتمی فیصلے سے بعد ازاں آگاہ کیا جائے گا۔

المعلن: ڈاکٹر عبدالخالق ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی

اس کے کہ آپ اسلامی انقلابی منہاج کے مطابق تیاری کے بعد اٹھ کھڑے ہوں اور چیلنج کر کے اس باطل نظام کا تختہ الٹیں۔ اس حوالے سے ایک تو یہ ہے کہ آئندہ وقتی طور پر اگر کچھ امکانی راستے سامنے آئیں بھی تو اول ان میں داخل ہی نہ ہوا جائے' ثانیاً یہ کہ اگر داخل ہوں تو جیسے ہی محسوس ہو کہ یہ بند گلی ہے تو فوری واپسی ہو۔

اسلامی انقلاب کے امکانات کے حوالے سے آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بین الاقوامی سطح پر حالات انتہائی خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ میں اپنے دس سال پہلے کی تحریر کے حوالے سے کہہ رہا ہوں۔ اپنی کتاب ''موجودہ اور سابقہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے آخری صفحات میں صحیح احادیث کے حوالے سے میں نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عربوں کے اوپر بہت شدید عذاب آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ان کی مادری زبان میں اللہ کا کلام موجود ہے لیکن پھر بھی انہوں نے اس کو امام و رہنما نہیں بنایا۔ جو مسلم ملک نو آبادیاتی نظام کے تسلط سے آزاد ہوتا گیا وہ اسلام سے بھی آزاد ہو گیا۔ کسی نے واشنگٹن کو اپنا قبلہ بنا لیا اور کسی نے ماسکو کو۔ اس لئے ہم بدترین سزا کے مستحق ہو چکے ہیں اور اس کا آغاز کسی بھی وقت ہو جائے گا۔ عراق کے اوپر اگر حملہ ہو گیا اس کے کیا عواقب و نتائج ہوں گے' کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی زوردار ہلے میں گریٹر اسرائیل قائم ہو جائے گا۔ جیسا کہ 1967ء کی صرف چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے ایک طرف سے صحرائے سینا اور دوسری طرف سے بولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا تھا' اور پورا ویسٹ بینک لے لیا تھا' ایسے ہی اگر اب یہ معاملہ اٹھا تو اندیشہ ہے کہ ان ملکوں کا نام و نشان مٹ جائے گا' جیسا کہ احادیث میں خبریں موجود ہیں۔ یہ اردن' ترکی' یہ عراق اور یہ شام ان سب کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔

حدیث میں صرف ضمانت دی گئی ہے تو وہ یہ ہے کہ مدینے پر قبضہ نہیں کر سکیں گے۔ مدینے کو بھی یہودی گریٹر اسرائیل میں داخل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ مدینہ سے نکالے گئے تھے' لیکن آنحضورﷺ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق وہ مدینے میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ واجپائی کا بیان بھی آ گیا ہے کہ عراق کی طرح کی کوئی کارروائی ہم پاکستان میں بھی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا نا معلوم کیا ہو گا۔ اسی طرح نیوز ویک میں فرید زکریا صاحب نے ایک چونکا دینے والا مضمون لکھا ہے۔ میں مشورہ دوں گا کہ آپ سب حضرات اسے پڑھیں۔ اس مضمون میں جو بیان کیا گیا ہے وہ مستقبل قریب کے اعتبار سے ہمارے لئے انتہائی مایوس کن ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ جو پچھلی صدی کے اندر احیائے اسلام کا ایک ابھار آیا تھا وہ ختم ہو چکا ہے' اس کا اب کہیں کوئی وجود باقی نہیں رہا۔ صورت حال بڑی تیزی کے ساتھ بدل گئی ہے۔ ان حالات میں سب سے بڑی شے جس کے ختم ہو جانے کا امکان ہے وہ یہ کہ ان تحریکوں کے خاتمے کے ساتھ وہ فکر نہ ختم ہو جائے۔ وہ انقلابی فکر جس کے بارے میں یہ وضاحت میں بارہا کر چکا ہوں کہ اس کا آغاز علامہ اقبال سے ہوا' اس پر پہلی بار جماعت سازی کی کوشش ابوالکلام آزاد نے کی' دوسری کوشش مولانا مودودی نے کی' تیسری تنظیم اسلامی کے نام سے ہم نے کی ہے۔ اس تنظیم اسلامی میں ہم نے اس انقلابی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ کے فضل و کرم سے بیعت کے معاملہ کو زندہ کیا ہے' منہج انقلاب نبویؐ کو واضح کیا ہے۔ ان چیزوں کی حفاظت کرنا' ان کو مؤکد کرنا' ان کو سینے سے لگا کر رکھنا بہت ضروری ہے تا کہ بالفرض اگر حالات بہت خطرناک اور بہت خراب ہو جائیں تو بعد میں کوئی نئی فصل اُگ سکے اور انہی فکری بنیادوں پر کوئی نئی تعمیر کی جا سکے۔ اس لئے کہ اصل شے فکر ہوتی ہے' فکر اگر باقی ہے تو وہ کہیں نہ کہیں سے اپنے برگ و بار پیدا کر لے گی لیکن اگر وہی Discredit ہو جائے' یا ختم ہو جائے تو پھر اسے دوبارہ زندہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا اس مرحلے پر ہماری اولین ترجیح اس فکر کی حفاظت کرنا ہے۔ oo

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

بی اے (سالِ اوّل) میں

داخلے جاری ہیں

- ایک منفرد تعلیمی ادارہ
- معیاری نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور ترجمہ قرآن کی کلاسز
- شاندار بلڈنگ' سنجیدہ باوقار ماحول

تدریس کا آغاز 7/ اکتوبر 02ء سے ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

برائے رابطہ: 191۔ اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور' فون: 5833637

اور آتھر بدل جائے گا!

تحریر: رائے مقدس کھرل

اتوار کا دن تھا۔ میں حسب معمول صبح سویرے اٹھا اور کھانا کھانے کے بعد گاؤں کے واحد چوک پر کھڑا ہو گیا۔ چونکہ چھٹی تھی اس لئے گاؤں کے بھی لڑکے اس چوک میں کھڑے تھے۔ ہمارے گاؤں کا واحد کمہار شوکت علی المعروف شوکا کمہار اپنے گدھوں کو لے کر چرانے کی غرض سے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا۔ ان گدھوں میں ایک گدھا نیا نیا سا لگ رہا تھا۔ ہم نے پوچھا چاچا یہ گدھا نیا لیا ہے تو اس نے جواب دیا نہیں پتر کھوتا تے اوہوای اے پر آتھر بدلیا اے یعنی گدھا وہی ہے ذرا اس کے کپڑے (گدھوں پر سامان لادنے والی جھولی) تبدیل کئے ہیں۔ کچھ اسی طرح کی صورت حال ہماری سیاست کی ہے۔ بی اے کی شرط کی وجہ سے بہت سے پرانے سیاستدان الیکشن نہیں لڑ سکیں گے۔ غالباً حکومت اپنے اس اقدام کی وجہ سے بہت خوش ہو گی کہ چلو اسی بہانے نئے چہرے سامنے آئیں گے اور ملک کو پڑھی لکھی قیادت ملے گی لیکن یہ حکومت کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ پرانے سیاستدان اپنی جگہ اپنے بیٹے' بھتیجے یا بھانجے کو الیکشن میں کھڑا کر دیں گے یعنی کہ قیادت نہیں بدلے گی' نظام نہیں بدلے گا' سیاست نہیں بدلے گی' سیاستدان نہیں بدلیں گے صرف چہرے بدلیں گے اور ملک کو پھر اُسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آغا شورش کشمیری نے شاید اسی حوالے سے یہ شعر کہا تھا ؎

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں!

ایک عام انداز کے مطابق ملک میں 129 سیاسی جماعتیں قومی اسمبلی کے لئے 4 ہزار ہیں' پنجاب اسمبلی کے لئے 4667' سندھ کے لئے 2706' سرحد کے لئے 1291 اور بلوچستان کے لئے 984 امیدوار میدان میں لائی ہیں۔ ان 13728 امیدواروں میں کوئی نیا چہرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہی پرانے سیاستدان اپنے بیٹے بھتیجے یا بھانجے کی شکل میں عوام کے سامنے آئیں گے اور اب وہ 14 کروڑ عوام کو الو بنائیں گے۔ ملک کو نئی قیادت نہیں ملے گی۔ صرف آتھر بدل جائے گا۔

حضرت عثمان غنیؓ

مختصر حالات اور فضائل و مناقب (۲)

محمد یونس جنجوعہ

حضرت عثمان غنیؓ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے گھر والوں کے ساتھ گہری ہمدردی رکھتے تھے اور ان کی خدمت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے بلکہ اسے غنیمت جانتے۔ ایک دفعہ کاشانہ نبویؐ میں چار دن گزر گئے کہ کھانے کو کچھ نہ تھا۔ اس صورت حال میں رسول اکرم ﷺ اللہ کی حمد وثناء کرتے گھر سے نکل گئے۔ نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے۔ اسی دوران تیسرے پہر حضرت عثمانؓ بیت نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ بتایا گیا کہ ان کے گھر والوں نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا اور آپؐ اسی پریشانی میں گھر سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سنا تو حضرت عثمانؓ رونے لگے اسی وقت واپس گئے اور کھانے پینے کا سامان اونٹوں پر لاد کر اور ایک بکری کھال اتار کر لے آئے اور خانہ نبویؐ میں پیش کر دیا اور ساتھ ایک تھیلی جس میں تین سو درہم تھے بھی حاضر کر دی۔ اور ساتھ کہا کہ ام المومنین! جب کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فوراً اطلاع کر دیا کیجئے۔ کچھ دیر گزری کہ حضور ﷺ واپس گھر تشریف لے آئے اور پوچھا کہ میرے بعد کچھ ملا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمانے لگے۔ ''اے اللہ میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

حضرت عثمانؓ ایک خوشحال تاجر تھے۔ 9ھ میں غزوہ تبوک کی تیاری کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ اس وقت حالات انتہائی ناسازگار تھے۔ شدید گرمی کا موسم، فصل تیار اور ضروریات زندگی کی قلت تھی۔ تاہم انصار و مہاجرین نے حسب استطاعت جنگی ساز و سامان اور مال و اسباب پیش کیا۔ یہی موقعہ ہے جب حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر سے نصف سامان لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تو گھر کا تمام زر و مال لے آئے اور پیچھے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان غنیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ترغیب و تشویق پر ایک سو اونٹ معہ ساز و سامان حاضر کر دیا۔ آپؐ نے پھر ترغیب دلائی تو عثمان کہنے لگے حضور ﷺ میں مزید ایک سو اونٹ معہ ساز و سامان دیتا ہوں۔ چونکہ بڑا کٹھن موقعہ تھا لہٰذا آنحضرت ﷺ لوگوں کو مزید ترغیب دیتے رہے۔ حضرت عثمانؓ تیسری بار پھر کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ میں اس غزوہ کے لئے مزید ایک سو اونٹ معہ ساز و سامان پیش کرتا ہوں۔ اس موقعہ پر حضور ﷺ منبر سے اترے اور دو مرتبہ فرمایا ''اس کے بعد عثمانؓ کو کوئی بھی عمل (آخرت میں) نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' (ترمذی)

اسی غزوے کی تیاری کے لئے حضور ﷺ نقد سرمائے کی فراہمی کے لئے بھی ترغیب دیتے رہے۔ جس کے جواب میں حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار تھیلی میں بھر کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت عثمان نے وہ دینار آپؐ کی گود میں الٹ دیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جوش مسرت سے چہرہ انور کی رنگت اس قدر سرخ ہو گئی کہ گویا رخسار مبارک پر سرخ انار نچوڑ دیا گیا۔ آپؐ وفور مسرت کے ساتھ اپنی گود میں ہاتھ ڈال کر دیناروں کو بار بار الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے ''آج کے دن کے بعد عثمانؓ کو (آخرت میں) کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا۔'' (ترمذی)

اسی غزوہ تبوک کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا' میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ دوران سفر سامان خورد و نوش ختم ہو گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا تو مناسب سامان اونٹوں پر لاد کر حضور ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اونٹوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بہت زیادہ گرد و غبار اٹھ رہا تھا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا لوگو! تمہارے واسطے بہتری آ گئی ہے۔'' اونٹ پہنچ گئے۔ سامان اتارا گیا۔ اس وقت آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر حضرت عثمانؓ کے حق میں یہ دعا تین مرتبہ دہرائی ''میں عثمان سے راضی ہوں۔ اے اللہ! تو بھی عثمان سے راضی ہو جا۔'' پھر صحابہ کرامؓ سے کہا کہ تم بھی عثمان کے حق میں دعا کرو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں ایک سال قحط پڑا۔ خوراک کی سخت قلت ہوئی۔ لوگوں نے امیر المومنینؓ سے فریاد کی تو انہوں نے کہا کہ کل ان شاء اللہ تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ اگلے دن صبح سویرے حضرت عثمانؓ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے مدینے پہنچے۔ مدینہ کے تاجر اسی وقت موقعہ پر پہنچ گئے کہ وہ غلہ انؓ کے ہاتھ فروخت کر دیں تا کہ بازار میں بیچا جا سکے اور لوگوں کی پریشانی دور ہو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا میں نے یہ غلہ شام سے منگوایا ہے۔ تم اس پر کیا منافع دو گے؟ تاجروں نے دس کے بارہ کی پیش کش کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے کہا ہم دس کے چودہ یعنی چالیس فیصد منافع دیتے ہیں۔ آپؓ نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ تاجر حیران ہوئے کہ مدینہ میں تجارت کرنے والے تو ہم ہی ہیں پھر اس سے زیادہ منافع اور کون دیتا ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے تو ہر درہم کے بدلے دس درہم ملتے ہیں۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا نہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا ''اے تاجرو! میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں یہ تمام غلہ مدینہ کے ضرورت مندوں کو مفت دیتا ہوں۔'' یہ واقعہ عبداللہ بن عباس نے بیان کیا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اسی رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ ایک نورانی چھڑی ہاتھ میں لئے جلدی سے کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ کے جوتے کے تسمے بھی نور کے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ ''حضورؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میں آپ کا بے حد مشتاق ہوں۔ میری طرف بھی التفات فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا میں بہت جلدی میں ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عثمانؓ نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا صدقہ قبول کر لیا ہے۔ اس کے عوض جنت میں ان کی شادی ہے۔ میں اس میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔

الغرض انفاق فی سبیل اللہ میں آپؓ نے بڑی دریا دلی کا مظاہرہ کیا اور اس سلسلہ میں وہ مثالیں قائم کیں اب کسی کا وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں۔ پھر یہ انفاق اس قدر خلوص پر مبنی تھا کہ اسے اللہ کے ہاں شرف قبولیت بھی بخشا گیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نہایت اونچے کردار اور بے داغ سیرت کے مالک تھے۔ آپ اخلاقی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ آپ کا دامن رذائل اخلاق سے آلودہ نہ تھا۔ قبول اسلام سے پہلے بھی آپ کا شمار ان چند افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ کبھی شراب پی نہ چوری کی اور نہ کبھی جاہلیت کے دوسرے کام کئے۔ آپ سلیم الفطرت تھے۔ ہر اچھا کام آپ کی نگاہ میں اچھا تھا اور ہر برائی خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو آپ کے لئے قابل نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب دین فطرت کی دعوت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے آپ تک پہنچی تو آپ نے اسی وقت لبیک کہا اور داعیٔ حق کے دست و بازو بلکہ جاں نثار ساتھی بن گئے۔

(جاری ہے)

خاتمۂ سود کے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کا خلاصہ (۴)

سود کی متبادل چند دیگر صورتیں

(آخری قسط)

جسٹس (ر) تنزیل الرحمن

(ب) بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کا لین دین

1۔ ان کاشت کاروں کے علاوہ' جنہیں گزشتہ مالی سال کے آغاز سے بلاسود قرضے دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے' دوسرے کاشتکاروں کو بھی **30** جون **1980**ء کے بعد قلیل المیعاد سرمایہ سود پر فراہم کرنے کے بجائے ''بیع موجل'' یا ''بیع مسلم'' کے تحت دیا جانا چاہئے۔

2۔ تجارتی بینک لوگوں کو مکانات کی تعمیر یا ان کی خریداری کے لئے سودی قرضے مہیا کرتے ہیں' انہیں آئندہ اس سلسلے میں سود کے بجائے وہی طریق کار اختیار کرنا چاہئے جو یکم جولائی **1979**ء سے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن نے اختیار کیا ہے (**1988**ء میں ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن نے یہ اسکیم بند کر دی ہے: ادارہ۔) اسی طرح تعمیراتی کمپنیوں کو ان کی قائم اور رواں سرمایہ کاری کے لئے جو رقمیں فراہم کی جاتی ہیں وہ بھی قطعی طور پر نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر فراہم کی جانی چاہئیں۔

3۔ بسوں' ٹرکوں' ٹیکسیوں' ویگنوں' رکشوں اور کاروں کی خریداری کے لئے بنک اور اسمال بزنس فنانس کارپوریشن آج کل جو سودی قرضے دیتی ہے' آئندہ اسی سرمایہ کاری ملکیتی کرایہ داری اور بیع موجل کی اسکیم کے تحت ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ اسمال بزنس فنانس کارپوریشن کی جانب سے سائیکلوں کی خریداری کے لئے غیر سودی قرضے فراہم کئے جانے چاہئیں۔

4۔ اگر بینک کچھ ذاتی نوعیت کے قرضے فراہم کریں تو وہ سود کے بجائے ''خصوصی قرضوں'' کی اسکیم کے تحت دیئے جانے چاہئیں۔

5۔ صاحب صلاحیت طلباء کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے انہیں قرض حسنہ (بلاسود قرضے) دیئے جانے چاہئیں۔

6۔ آج کل آئی سی پی ''سرمایہ کاری اسکیم'' کے تحت سودی قرضے مہیا کرتی ہے۔ آئندہ اس قسم کی سرمایہ کاری نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔

2۔ دوسرے مرحلے کے لئے مجوزہ اقدامات جس کا آغاز یکم جولائی **1981**ء کو ہونا چاہئے۔

استیصال سود کے اقدامات کا دوسرا مرحلہ یکم جولائی **1981**ء سے شروع ہوا۔ اس مرحلے کے لئے مجوزہ اقدامات کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ جہاں تک اندرون ملک لین دین کا تعلق ہے' بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے اثاثہ جات کو سود کے عنصر سے قطعی طور پر پاک کر دیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں کونسل نے جو سفارشات پیش کی ہیں' ان کی روشنی میں دسمبر **1980**ء تک ایک مفصل عملی اسکیم تیار کی جائے اور اس کے بعد اٹھ[illegible] مہینے ان تبدیلیوں کو بروئے کار لانے کے لئے استعمال کئے جائیں جو اس اسکیم کے تحت بینکوں کے اندرونی انتظامات اور متعلقہ قوانین کی اصلاح کے لئے ضروری ہیں۔

اس عرصے میں بینکوں کے عملے کو سرمایہ کاری کے نئے طریق کار کی اس طرح تربیت دی جائے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس کے تمام لوازم سے باخبر ہو جائیں بلکہ ان میں نئے نظام کو نافذ کرنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے مشنری جوش و جذبہ پیدا ہو جائے۔ مزید براں اس دوران میں عام لوگوں کو نئے نظام کی خصوصیات' اس کی حکمتوں اور دنیوی و اخروی فوائد و برکات سے آگاہ کرنے کے لئے نہ صرف ذرائع ابلاغ عامہ بلکہ عوام تک رسائی کی دیگر تمام تدابیر سے کام لیتے ہوئے ایک بھرپور مہم چلائی جانی چاہئے تاکہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا تعاون حاصل ہو سکے۔ اس غرض کے لئے ملک بھر میں مجالس مذاکرہ اور عملی اجتماعات بھی منعقد کئے جانے چاہئیں۔

اس طرح یکم جولائی **1981**ء سے اندرون ملک ہر قسم کا سرکاری لین دین سود کے تمام باقی ماندہ عناصر سے پاک ہو جانا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تاریخ سے دوسری چیزوں کے علاوہ سرکاری بانڈز اور سیونگ سرٹیفکیٹس وغیرہ کے ذریعے سے سرمایہ حاصل کرنے کا موجودہ طریقہ بھی ختم ہو جائے گا۔ حصول سرمایہ کی ان صورتوں سے دستبردار ہو جانے کے بعد غالباً حکومت کے لئے اس کے سوا چارہ نہ ہو گا کہ وہ اسٹیٹ بینک سے مزید قرضے لے۔ ان حالات میں یہ امر ضروری ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو ایک ورکنگ گروپ تشکیل دیا جائے جو ایسے اقدامات تجویز کرے جن کے ذریعے حکومت کو دیگر ذرائع سے بیش از بیش مالی وسائل حاصل ہوں اور اسٹیٹ بینک کے قرضوں پر اس کا انحصار کم سے کم ہو جائے۔

3۔ تیسرے مرحلے کے لئے مجوزہ اقدامات' جن کا آغاز یکم جنوری **1982**ء سے کیا جائے۔

اندرون ملک لین دین سے استیصال سود کا آخری مرحلہ یکم جنوری **1982**ء کو شروع ہو گا۔ اس مرحلے میں تمام بینک نئی امانتیں سود کی بنیاد پر قبول کرنے کے بجائے نفع نقصان میں شرکت کے اصول پر وصول کریں۔ اس طرح اس مرحلے پر اسٹیٹ بینک دوسرے بینکوں اور مالیاتی اداروں کو سودی قرضے دینے کا طریق کار ختم کر کے اپنی زرعی پالیسی میں وہ تبدیلیاں بروئے کار لائے جو اس رپورٹ میں بیان کی گئی ہیں۔

بین الاقوامی تجارت اور امداد کے لین دین میں سود کے خاتمے کا معاملہ سب سے زیادہ مشکل ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اچھی راہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں زیادہ سے زیادہ معاشی تعاون کی کوشش کو تیز تر کر دیا جائے تاکہ بین الاقوامی تجارت اور امداد کم سے کم ان کی حد تک غیر سودی ہو جائے۔ اس ضمن میں اسلامی ترقیاتی بینک بھی ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ جب مسلم ممالک اس سلسلہ میں کافی حد تک آگے بڑھ جائیں گے تو غیر مسلم ممالک اور بین الاقوامی مالی ادارے بھی مسلم ممالک سے غیر سودی بنیاد پر کاروبار شروع کر دیں گے۔

تاہم کونسل کے نزدیک زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم اسلام کے معاشی اور اخلاقی نظام کا دنیا کے سامنے ایسا عملی نمونہ پیش کریں جو دوسرے ممالک کو اس نظام کی خوبیوں اور برکات کا قائل کر سکے۔ اگر ایسا ممکن ہو سکا تو دوسرے ممالک اس نمونے کو بعض داخلی مجبوریوں کی وجہ سے چاہے خود نہ اپنا سکیں لیکن دوسرے اپنانے والوں سے عدم تعاون کی پالیسی جاری نہ رکھ سکیں گے۔

نوٹ: ایک بار پھر ان سفارشات پر نظر ڈال لیجئے جن کا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا ہے (تسلسل کے لئے روزنامہ جسارت کی پچھلی اشاعتیں ملاحظہ فرمائیں)۔ اس عملی منصوبہ کا خاکہ کونسل کے علماء شریعت کے علاوہ بینکوں اور ماہرین معیشت کے پندرہ رکنی پینل کی رپورٹ کی روشنی میں پیش کیا گیا' لیکن حکومت کی سرد مہری کا جو عالم رہا اس پر گزشتہ **17** سال کی تاریخ خود گواہ ہے۔ حتیٰ کہ اس رپورٹ کو قومی اسمبلی کے کسی اجلاس میں بھی آج تک پیش نہیں کیا گیا' غور و خوض اور بحث و تمحیص تو بعد کی بات ہے۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں حلقہ پنجاب (وسطی) کا تبلیغی و دعوتی پروگرام

حلقہ پنجاب (وسطی) کے امیر محترم مختار حسین فاروقی کی زیر سرپرستی یہ سہ روزہ تبلیغی و دعوتی پروگرام 16 تا 18 اگست منعقد ہوا۔ حلقہ میں شامل اضلاع ٹوبہ' جھنگ اور لیہ کے رفقاء کو اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ پروگرام کا آغاز ڈسٹرکٹ بار کونسل ہال' ٹوبہ میں درس قرآن سے ہوا۔ امیر حلقہ نے تقریباً 25 وکلاء کے سامنے سورۂ بنی اسرائیل کی آیات کے حوالے سے بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی تاریخ بیان کی۔ خطاب جمعہ قاسمیہ مسجد' فیض کالونی میں ہوا جس میں محترم فاروقی صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیات کے حوالے سے قصہ آدم و ابلیس تفصیل سے بیان کیا۔ کم و بیش 125 احباب نے اس خطاب کو سنا۔ نماز عصر کے بعد ''تعارف تنظیم اسلامی'' نامی کتابچہ کا اجتماعی مطالعہ ہوا۔ نماز مغرب کے متصلاً بعد امیر حلقہ نے ''ختم نبوت اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ موصوف نے نہایت سلیس انداز میں ختم نبوت کا مفہوم بتایا۔

17 اگست کو نماز فجر کے بعد جامع مسجد عثمانیہ میں محترم فاروقی صاحب نے سورۃ البقرہ کی ایک آیت کے حوالے سے عبادت رب کا مفہوم اور اس کے تقاضے بیان کئے۔ کم و بیش 30 احباب نے بڑی توجہ اور انہماک سے اس درس کی سماعت کی۔ بیشتر رفقاء نے قیام گاہ پر جناب محمد صادق کا درس سنا' جس میں سورۃ الحجرات کی آیات کے حوالے سے ایمان حقیقی کی وضاحت کی گئی۔ ناشتے اور استراحت کے وقفے کے بعد امیر حلقہ دیگر رفقاء کے ہمراہ قیام گاہ پر موجود رہے تا کہ رفقاء اور دیگر احباب بالمشافہ گفتگو کے ذریعے مختلف دینی موضوعات پر تبادلہ خیال کر سکیں۔ نماز عصر کے بعد امیر حلقہ کی ہدایت پر رفقاء گروپس میں تقسیم ہو کر مختلف علاقوں میں دعوت کے لئے روانہ ہو گئے۔ نماز مغرب کے بعد محترم فاروقی صاحب نے 35 احباب سے ''موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر مفصل خطاب کیا اور موجودہ حالات کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت یہود باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے امریکہ کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم توبہ کریں' مالک حقیقی کی طرف رجوع کریں' اس کی نافرمانی کو ترک کر کے صحیح معنوں میں اس کے بندے بنیں' پھر اس کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کے لئے کسی دینی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کے حوالے سے توجہ دلائی کہ کسی دینی جماعت میں شامل ہونا ایک فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

18 اگست کو محلہ اقبال نگر کی جامع مسجد میں نماز فجر کے بعد فاروقی صاحب نے سورۃ الحجرات کی دو آیات کے حوالے سے درس دیا۔ انہوں نے ان معاشرتی برائیوں کا ذکر کیا جن کے ارتکاب سے باہمی نفرت اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ساڑھے نو بجے تا ایک بجے دوپہر رفقاء نے ہفتہ وار ترجمۃ القرآن پروگرام میں شرکت کی۔ (رپورٹ: خلیل الرحمٰن)

تنظیم اسلامی لاہور (وسطی) کا دعوتی و تربیتی اجتماع

یہ ایک روزہ اجتماع یکم ستمبر کو لاہور (وسطی) کے دفتر واقع اردو بازار میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز صبح ساڑھے نو بجے ہوا۔ اپنے افتتاحی کلمات میں تنظیم اسلامی لاہور (وسطی) کے امیر جناب حافظ محمد عرفان نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اپنے دین کی خدمت کا موقع دے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ یہ اللہ کا خصوصی فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس عظیم کام کے لئے چن لیا ہے۔ ہمیں اپنے ذہنوں سے یہ بات نکال دینی چاہئے کہ اقامت دین کی جدوجہد آسان کام ہے۔ درحقیقت یہ دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

اس کے بعد جناب مجیب الرحمن نے میاندم میں منعقدہ ملتزم تربیت گاہ میں شرکت کے تاثرات بیان کئے۔ جناب تجمل حسن میر نے ''فکر آخرت'' جبکہ جناب صغیر احمد نے ''محبت الٰہی کا حصول'' پر گفتگو کی۔ چائے کے وقفے کے بعد امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' پر سیر حاصل مذاکرہ ہوا۔ تمام رفقاء نے اس مذاکرے میں بھرپور حصہ لیا۔ دوسری نشست 5 بجے شروع ہوئی۔ رفقاء نے حالات حاضرہ پر اظہار خیال کیا' جو نماز عصر تک جاری رہا۔ نماز عصر کے بعد جناب عمران حمید نے بیعت کے تقاضے پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مغرب کے بعد دعوتی پروگرام میں راقم نے سورۃ المائدہ کی آیت 12 کے حوالے سے امت مسلمہ کے زوال کے اسباب اور اس سے نکلنے کے واحد راستہ کے موضوع پر درس دیا۔ امت مسلمہ کے زوال کا بنیادی سبب قرآن سے لاتعلقی ہے' بعینہٖ بنی اسرائیل نے تورات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

اس پروگرام میں مجموعی طور پر 30 رفقاء اور 20 احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: نثار احمد خان)

تنظیم اسلامی تیمر گرہ کا ماہانہ دعوتی اجتماع

یہ دعوتی اجتماع 23 اگست کو ملاکنڈ پائیں کی جامع مسجد میں منعقد ہوا۔ مسجد کے خطیب جناب مولانا سراج الدین کو جو ایک درویش صفت اور وسیع النظر انسان ہیں' اجتماع سے دو دن قبل بالمشافہ ملاقات کر کے آگاہ کیا گیا تھا اور مولانا نے جواباً خیر مقدمی کلمات کہے تھے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کو نماز عصر کے فوراً بعد مسجد کے خطیب نے نمازیوں کو اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔

مولانا غلام اللہ حقانی نے جو کہ خصوصی دعوت پر تشریف لائے تھے جشن آزادی پاکستان کے حوالے سے بات شروع کی اور امت مسلمہ کے فرائض منصبی اور اس کی زبوں حالی پر مدلل انداز میں بات کی۔ مولانا نے نوجوان نسل کے نام اقبال کے پیغام کو اشعار کی مدد سے خوب اجاگر کیا اور رجوع الی القرآن پر سامعین سے پُرزور اپیل کی۔ تقریباً 40 منٹ کی اس تقریر کو 60 افراد نے توجہ سے سنا۔ بعد میں سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی' جس میں جناب محمد فہیم نے موثر انداز میں جوابات دیئے۔ مسجد کے باہر مکتبہ بھی لگایا گیا تھا جس سے کافی تعداد میں کتابیں خریدی گئیں۔ (مرتب: شاہ وارث)

بقیہ: جانشینی کا پس منظر

بات بشمول دیگر باتوں کے ان کی نامزدگی کے لئے اضافی خوبی کا درجہ اختیار کر گئی۔ چنانچہ اسی اجلاس میں جب دوبارہ رفقاء سے رائے لی گئی تو ان کے حق میں رائے دینے والے رفقاء کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور متعدد حلقوں کے رفقاء نے اکثریتی طور پر ان کا نام ترجیح اول کے طور پر تجویز کیا۔ اس سے قبل جن سینئر رفقاء نے امیر محترم کو اپنی تجاویز تفصیل کے ساتھ تحریراً ارسال کی تھیں' ان میں سے تین نے جانشینی کے لئے حافظ عاکف سعید ہی کا نام تجویز کیا تھا۔ اسی طرح جن چند رفقاء نے امیر محترم سے اس بارے میں خصوصی ملاقاتیں کی تھیں ان میں سے بھی دو نے عاکف کا نام پیش کیا۔ تاہم یاد رہے کہ فیصلہ کرتے وقت یہاں آراء کو گنا نہیں تولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے عزیزم عاکف سعید کے معاملہ میں جو چیزیں زیادہ نمایاں ہیں وہ یہ ہیں:

☆ سترہ سال کی عمر میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور تنظیم کے تاسیسی اجلاس سے اس کے ساتھ وابستہ ہوئے۔

☆ بچپن ہی سے امیر محترم کے دروسِ قرآنی اور خطابات میں شرکت رہی ہے۔

☆ دنیاوی تعلیم میں فلسفہ میں ایم۔اے کیا ہے۔

☆ حافظ قرآن ہیں اور بغیر کسی کی ترغیب و تشویق کے خود اپنے شوق اور جذبہ سے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن حفظ کیا ہے۔

☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کی ادارت کی ذمہ داری بڑے عرصے سے خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں۔

☆ انہیں تنظیم کا پورا فکر خاص طور پر ازبر ہے۔

☆ قرآن مجید کے خوبصورت قاری ہیں۔

☆ مسجد دارالسلام میں جمعہ کی نماز اکثر وہی پڑھایا کرتے ہیں۔

☆ ایک اچھے مدرس' ذہین' متحمل اور معاملہ فہم نوجوان ہیں۔

اجتماع کے آخر میں رفقاء نے بالعموم اور نامزدگی کی فہرست میں شامل بقیہ پانچ حضرات نے بالخصوص امیر تنظیم کے اس فیصلہ کو سراہتے ہوئے حافظ عاکف سعید کے ساتھ اپنے بھرپور تعاون اور حمایت کرنے کا عزم کا اظہار کیا۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

Pakistan is partially, occupied. Existence of both countries remaining intact in the next two decades is being questioned by think tanks in America. Israel has been given a free hand to use innovative ways to make the Palestinians suffer and die. The assiduous work of pro-Israel political forces on Capitol Hill has resulted in the gradual transformation of Saudi Arabia from an ally to an enemy.

Full occupation of Iraq and replacement of Saddam with another CIA groomed Karzai of Iraq would be a feat that the US could not perform in Saudi Arabia. It would also set the stage for meaningfully confronting Iran, Saudi Arabia and any other Muslim state.

The blueprint for the creation of a "Global Pax Americana", uncovered by the Sunday Herald, was drawn up much before Bush assumed power. The plan proves the US intended taking military control of the Gulf region whether, or not Saddam Hussein was in power. (5)

Division of Muslim countries as was done at the end of the colonial period, is on the cards. The plan of dividing Iraq was referred to by Bulent Ajaweed, Turkish Deputy Prime Minister, on February 08, 1998 when he said in a press interview: "The United States wants to divide Iraq in order to establish the state of Kurdistan which will be under her control."

The British Minister of State, Lord Gilbert also said on February 13, 1998: "The possibility of dividing Iraq in case of a military strike targeted against him cannot be disregarded."

At the same time, the British Foreign Secretary also alluded to the idea of division when he said: "One of the possible results of an American military operation against Iraq is to divide the country."

In November 1995 the Washington Post published a report about the military build up and relations between the US and the Gulf States. David Mack, the previous official for "Arab Peninsula Affairs" in the American Foreign Office said that, the equipment stored in the territories of these States and on the American ships is enough to supply any American division anywhere in the world.

Having sampled the 21st century version of military conquest and occupation in Afghanistan, the US is now emboldened to use the very factors underlined by James Baker III to argue its case thus: a) Loss of life is irrelevant. b) Military occupation is a trend. c) Before Iran can get the opportunity to export Islamic fundamentalism with the help of Shi'ites in Iraq, US would be at Iran's neck. d) US is no longer worried about fracturing coalition as it has decided to go it alone, thus maintaining its military hegemony, and e) the foundation of peace in the Middle East has already been leveled.

It is obvious that, in seeking to reorder Muslim countries and nations to its whims and Machiavellian designs, the US is becoming too arrogant for her own good.

Invasion and occupation of Muslim lands is increasingly being seen as a War on Islam. A growing sense of desperation is leading many in the Muslim World to arrive at one conclusion - that only a hard-line response to American injustice and double standards can force her to make necessary course corrections. Arab radicalism, that James Baker thought was "defeated," has resurfaced.

US will do well to remember this: Iraq or Afghanistan is not Carthage; nor is Bush, Cato the Elder.

End Notes

(1) Rep. Cynthia McKinney, a Congresswoman from Georgia, at "NewsHour" with Jim Lehrer on Febuary 10, 1988 and quoting Israeli Military analyst Meir Stieglitz, who wrote in Israel's largest daily, Yediot Ahronot, that there are no biological or long range WMD in Saddam's possession.

(2) Fareed Zakaria, "Thanks Goodness for a Villain," Newsweek, November 16, 1996.

(3) James A. Baker III, "Why US did not mark on to Baghdad," The Washington Times, September 11, 1996.

(4) "The War and Iran," interview with Kamal Kharrazi, the foreign minister of Iran, by Lally Weymouth of the Washington Post, September 21, 2002; Page A21.

(5) Neil Mackay, "Bush planned Iraq 'regime change' before becoming President," Sunday Herald, 15th September 2002 (Scotland), http://www.sundayherald.com/2735 <http://www.sundayherald.com/2735>

بانی امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ ملتان

امیر محترم کا یہ پروگرام خالصتاً حلقہ خواتین کو منظم اور فعال کرنے کے لئے رکھا گیا تھا۔ لہٰذا ناظم علیا بیگم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبہ، نائب ناظمہ حلقہ خواتین اور ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر عبدالخالق یکم ستمبر کو بذریعہ سڑک لاہور سے ملتان پہنچے۔ امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کراچی میں درس قرآن کے باعث دوسرے دن صبح **11** بجے ملتان تشریف لائے۔

یکم ستمبر کو عصر تا مغرب تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا خصوصی اجتماع ہوا، جس میں ناظم علیا بیگم ڈاکٹر اسرار احمد اور نائب ناظم علیا کے علاوہ تقریباً **20** رفیقات نے شرکت کی۔ ناظم علیا نے خصوصی خطاب فرمایا اور انفرادی ملاقاتیں بھی کیں۔

دوسرے روز صبح **11** بجے سے **12** بجے تک خواتین کا عمومی اجتماع ہوا، جس میں نائب ناظمہ علیا صاحبہ نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ آج کے اس پُرفتن دور میں دین کی تعلیمات پر چلنا کتنا مشکل ہے۔ اس حوالے سے خصوصی طور پر خواتین کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا۔

12 بجے سے ڈیڑھ بجے تک امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے خواتین سے پردے کی اوٹ میں ''نظم کی پابندی اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ تنظیم اسلامی کا ایک مکمل سٹرکچر موجود ہے جس میں امیر تنظیم کی طرف سے جملہ عہدیداران کو ذمہ داری تفویض کی جاتی ہے۔ چونکہ ہماری تنظیم بیعت کی بنیاد پر استوار ہے لہٰذا تنظیم کے جملہ کارکنان کو امیر تنظیم اور امیر حلقہ کے ساتھ چلنا ہوگا۔ رفقاء کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہونا چاہئے اور ذمہ داران کو بھی خصوصی طور پر نرم خو ہونا چاہئے۔ انہیں جملہ رفقاء/رفیقات کے ساتھ اچھے رویئے سے پیش آنا چاہئے۔ سیرۃ النبی ﷺ کے حوالے سے انہوں نے واضح فرمایا کہ آنحضور ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے لہٰذا ہمیں بھی اسی طریق کار پر چلتے ہوئے آپس میں نرم رویہ اور مغفرت کے پہلو کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اسی دن شام کو مغرب تا عشاء رضا ہال، ضلع کچہری میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک عمومی خطاب رکھا گیا تھا۔ آپ نے ''ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے تقاضے'' کے موضوع پر ایک بڑا ہی اہم لیکچر دیا۔ یہ پروگرام تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ حاضرین کی تعداد تقریباً **400** تھی۔ دوسرے دن رفقاء تنظیم سے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق نے ملاقات کی اور یوں یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ (رپورٹ: شہباز نور)

View Point

Abid Ullah Jan

(E-mial: Abidjan@tanzeem.org)

Saddam is Not The Issue

"Delenda est Carthago" - Carthage must be destroyed.

Cato the Elder, the Roman Senator, uttered these words at the end of his every speech. They marked his obsession - to wipe out the Roman Empire's growing political and commercial rival in the south.

Eventually, Cato and Scipio Africanus, the Tommy Franks of the Roman legions, did succeed in building up the political momentum for the campaign. Carthage was defeated and ransacked and its crops burned. The Romans used elephants to plough salt into the soil of what today is Tunis. Never again was Carthage a threat to Roman commerce!

Just like the authoritarian Roman Empire, the US is neither a law-abiding global citizen, nor a magnanimous super-power. It owes its economic, political and military hegemony in the world to inequitable trade pacts, UN farces and refusal to sign protocols like the Koyoto!

Hence, when it raises the specter of Iraq's weapons of mass destruction or WMD (possession of which, in the American lexicon is defined as a 'heinous crime' if the possessing states are countries like Iraq, Iran or Pakistan, but not Israel or India!), it is only reasonable to take these assertions with a handful of salt. Oil and WMD may well be strategic concerns for the US, but the latest twist in its twelve-year old campaign against Iraq, is not for these reasons alone - at least not in 2002!

We are witnessing an interesting scenario unfold. It is the post-September 11 era, with the American leaders arrogantly demanding their undue pound of flesh and bullying other countries to follow their lead. The American objectives have to be met. But there is one problem. No one seems to know what those objectives are!

And this gives rise to questions.

If Washington is indeed after Iraq's WMD, how is it that the US-directed and hand picked army of "inspectors" could not uncover them in eight long years of searching? This 'search' was carried out while Iraqis starved and died due to lack of adequate food or medicine, under the most draconian economic sanctions in human history. And it yielded zilch! They found nothing, because there was nothing to find. So, instead of insisting on another round of futile 'searches', maybe the US would do better to fold the CIA, and send its officers packing!

Iraq's story is long since over. Security Council members (other than US) demanded in 1998 that in light of the IAEA findings, the nuclear file on Iraq should be closed. According to the Washington Post report (April 14, 1998), UN nuclear weapons inspectors announced that, as of April 3, 1998 211 inspections at 93 locations revealed no signs that Iraq possesses nuclear weapons or related material.

As for biological weapons, even an Israeli military analyst Meir Stieglitz, wrote in Yediot Ahronot: "There is no such things as a long range Iraqi missile with an effective biological warhead. No one has found an Iraqi biological warhead. The chances of Iraq having succeeded in developing operative warheads without tests are zero."[1]

So, is the war-mongering stemming from Bush Junior's fixation to avenge his father's loss of face in the past? To debunk the myth that the Persian Gulf has been a burial place for American presidencies and their reputations?

This indeed could be one of the reasons. And the theme of this modern day war saga may well be "Oil, Revenge and More".

But, aside from greed and psychological needs of those in power in Washington, the key motive can be elucidated by asking one simple question: What has changed since the Gulf War, that is forcing the US to remove a villain whose "bad behavior actually served America's interest in the region?" [2]

The answer is: "American priorities!" Saddam, as an enemy, was necessary for maintaining anti-Saddam coalition. He was necessary for long-term American presence in the Gulf. His removal was avoided to avert anti-Americanism in Arab streets and palaces.

James Baker III, former US Secretary of State, had given five compelling reasons to show that toppling Saddam in 1991 would have been a "dangerous mistake." These included, "loss of life," "military occupation," "bolstering Iran," "fracturing the coalition" and "destroying the foundations for post-war peace." [3]

It may be noted, that all these concerns are as valid today as they were in 1991.

However, Uncle Sam has now discovered an enemy and a threat that is far dangerous than Saddam -- The Axis of Islam. It is apparent that as was the case with the Taliban regime, Saddam's stay in power is not the issue. The issue is Islam.

Iraq's nuclear capability has long been destroyed. It is now the weaponry and military might of other countries in the axis of Islam that needs to be systematically destroyed. This will ensure that the imagined or real "threat of Islam" to Israel and American security is neutralized.

In the Washington Post's recent interview with Kamal Kharrazi, the foreign minister of Iran, the sequence of questions about the nuclear program of Iran, and Israel's right to exist is a tell tale of the prevailing mood in Washington. [4]

But, stripping these states of the resources to defend themselves is not all. The US wishes to occupy what Bush chose to call "the axis of evil", in which North Korea was interjected as part of the grand deception. Afghanistan is fully, and